لہو رنگ
جلیل الٰہ آبادی
قیمت پانچ روپے

لہو رنگ

سال اشاعت ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء

بار:- اوّل

تعداد:- ایک ہزار

مصنف:- جلیل آبادی

کتابت:- فضیل اجمیری

سرورق و تصاویر:- انیس چشتی

پبلشر:- جلیل الہ آبادی ۵۰۰ گنیش پیٹھ، دارو والا پل - پونہ ۲

پرنٹر:- پربھا لیتھو پریس - پونا ۲

ملنے کا پتہ:-

۱:- ۵۰۰ گنیش پیٹھ - دارو والا پل - پونا ۲

۲:- دواخانہ حکیم رازی ۵۴۲ ساچا پیر اسٹریٹ پونا ۱
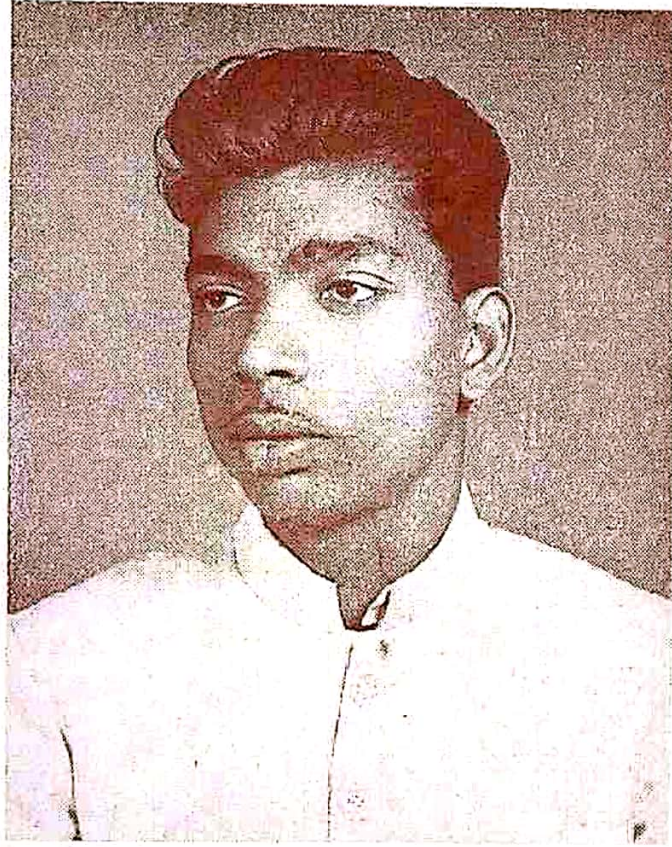
دو ہی رُخ ہوتے ہیں تصویر بُری ہو کہ بھلی
جس کی تعبیر نہ ہو کوئی وہ سپنا کیا ہے

جلیسؔ الہ آبادی مُصنّف "لہو رنگ"

Scanned with CamScanner

ہر اک سمت محشر بپا ہو رہا ہے
ہر اک زخم دل کا ہرا ہو رہا ہے
کوئی اونچے بڑھ کے سورج کا چہرہ
"ہو رنگ ماتم وفا ہو رہا ہے

بیکس الہ آبادی

کچھ ہورنگ کے بارے میں :-

از راجندر سنگھ بیدی

جلیل الہ آبادی سے میری ملاقات پونہ کے
ایک مشاعرہ میں ہوئی جسکی صدارت کا
فرض مجھے سونپا گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر معلوم
ہوا کہ "بڑے شاعروں" نے اس مشاعرے
سے عدم تعاون فرمایا ہے۔ اس کی بڑی وجہ
یہ تھی کہ اس کا انعقاد کم اُجرت پانیوالے
ادیبوں نے کیا تھا، اور وہ اس قابل نہ تھے
کہ ان کے مقاصد کا ڈھنڈورا پیٹنے والے
شعراء حضرات کو وہ معقول رقم دے سکیں۔
وہ کیوں نہیں آئے اسکی بہت سی وجہیں ہو سکتی
ہیں۔ عدیم الفرصتی البتہ ایک بہانہ ہے جو
ان کے نزدیک مقصد کا بھی جگر کاٹ سکتا
ہے۔ حالانکہ ہونا اس کے برعکس چاہیئے
اس ضمن میں جلیل الہ آبادی ہی کا ایک

شعر یاد آتا ہے ؂

دوستی گرچہ نبھانی نہیں آتی تم کو
دشمنی یار وہ سلیقے سے نبھاؤ تو سہی!

اس مشاعرہ میں جلیلؔ صاحب کے شعروں نے مجھے اسلئے بھی چونکایا کہ ان کی وضع قطع شاعروں جیسی نہ تھی۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ سوئیاں بنانے "بیچنے" کا دھندہ کرتے ہیں۔ لیکن انکے شاعرانہ مزاج ہونے کی وجہ سے شعر بھی ہو جاتے ہیں۔ چونکہ حالات نے زیادہ تعلیم اور میل جول کی اجازت نہ دی اسلئے ان کے اشعار ٹکسالی تو ہو سکے۔ کوئی نیا رنگ پیدا نہ کر سکے۔ غزل میں فی زمانہ فراقؔ، مجازؔ، فیضؔ، مجروحؔ اور اخترؔ سے آگے بڑھکر کوئی شعر نہ کہہ پائے، تو لکھنا فضول ہے۔ لیکن اس پر بھی جلیلؔ کہتے ہیں تو دیکھئے کہ وہ عالم امکاں کا پتہ دیتے ہیں ؂

نہ جانے کس صدا نے رہبری کی
میں پیچھے رہ گیا تھا کارواں سے

جو اور یہ شعر کہہ سکتا ہے ؎

آندھیوں میں دیئے جلاتا ہوں

آپ اپنی ہنسی اڑاتا ہوں

وہ کسی طرح سے بر خود غلط نہیں ہے۔ اُسے ضرورت ہے تو دھن کی، تجسّس کی اور ایسی یکجہتی کی۔ جس سے فی زمانہ ہر "چھوٹا" اور "بڑا" ادیب بے بہرہ ہو رہا ہے۔ ایک ایسی فضاء کی جسمیں ہم ایک دوسرے کسب نور کرتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

راجندر سنگھ بیدی

بمبئی

۲۸ ستمبر ۱۹۷۰ء

از عالم فتح پوری

عشق ایک لق و دق صحرا بھی ہے اور ایک جنتِ رنگ و بو بھی۔ اس کی طرف رُخ کرنا ہر کسی کا کام نہیں۔ اس میں کبھی دل کے لہو سے چراغاں کرنا پڑتا ہے۔ اور کبھی اس میں قدم رکھتے ہی گلاب کی ہری بھری شاخیں لچک لچک کر قدموں پر جھک جاتی ہیں۔ در اس منزل میں قدم رکھنے والے کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اس کے مقدر میں کیا ہے نہ جانے کیا کیا امیدیں باندھے اور کن کن تمناؤں کو دل میں لیکر وہ اس راہ میں گامزن ہوتا ہے۔ اور جب وہ اپنی آرزوؤں اور توقعات کے تاج محل کو مسمار ہوتے دیکھتا ہے تو وہ اس راہ کو چھوڑ کر عشق کے ساتھ ساتھ زندگی تک سے اس حد تک خفا ہو بیٹھتا ہے کہ "فرار" کو اپنی ذہنی الجھنوں کا مداوا تصور کر لیتا ہے اور پھر اس عشق کے مارے شاعر کی شاعری ایک بزدل انسان کی پکار یا ایک مردہ گھاٹ پر کھڑے ہوئے رونے والے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ ہاں کچھ ایسے حوصلہ والے طباع انسان بھی ہوتے ہیں۔ جو راہِ عشق و محبت کی ناکامیوں سے ایک درس تو حاصل کر کے زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر گرم ستیز ہو جاتے ہیں۔ ایسی ہی صاحبانِ دل کی شاعری شاعری ہے۔ ایسے ہی عاشقوں کا عشق عشق ہے۔ اور ایسے ہی تمام انسانوں کی زندگی زندگی ہے مجھے یہ دیکھ کر حسرت بھی ہے اور مسرت بھی کہ جلیل الہ آبادی اپنی شاعری کی اس کم عمری میں ان حقائق سے بہت قریب نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

غم سے جو دل کبھی چمک سکے گا وہ نگینہ نہیں ہے پتھر ہے۔

نازک ہیں زندگی کے تقاضے بہت جلیسؔ ؛ حالات کہہ رہے ہیں مگر کچھ نہ بولئے

موت سے پیار کریں عشق کا اظہار کریں ؛ تذکرہ آؤ محبت کا سرِ دار کریں

پھر کوئی تازہ فسانہ نہ بنالے دنیا ؛ ورنہ ہم اور تیری چاہ سے انکار کریں

جس در پہ تمنّاؤں کا خوں ہوتا رہا ہے ؛ دل پھر بھی اسی در کا تمنّائی ہے دیکھو

مکمل زمانے کی تاریخ ہوگی ؛ مری داستاں مختصر ہوتے ہوتے

ادب زندگی سے علیحدہ نہیں ہے بلکہ دونوں کی اساس ایک بلند اور ستھرا ذوق و معیار ہے۔ اگر ادب میں زندگی کی جھلک نہیں تو وہ ادب ادب نہیں کہا جا سکتا۔ ایک شاعر کو زندگی کے اعلیٰ معیار کا ترجمان ہونا از بس ضروری ہے۔ وہ شاعری شاعری نہیں کہی جا سکتی جو زندگی کی عکاسی نہ کرے۔ مجھے خوشی ہے کہ جلیسؔ نے اس حقیقت کو بھانپ لیا ہے۔ اور اس نے بڑی لطیف اور پر اثر پیرایہ سے شاعر سے زندگی کی ترجمانی کی اپیل کی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ادب پر جدت و قدامت کی چھاپ کو لایعنی کہہ کر پکارا ہے جو ایک نمایاں صداقت ہے۔

یہ جدید و قدیم کیا معنی ؛ شعر میں مقصدِ حیات کہو

تم بھی شاعر ہو جلو مان لیا سچ ہے جلیسؔ ؛ وقت کی لے پہ کوئی نغمہ سناؤ تو سہی

ہر ایک تار لرزتا ہے سازِ ہستی کا ؎ عجیب وقت کا سرگم ہے تم ساتھ چلو

مکمل زمانہ کی تاریخ ہوگی ؎ مری داستاں مختصر ہوتے ہوتے

جلیلؔ صرف ایک پیشہ ور عاشق نہیں ہے۔ وہ محبت کے تلاطم میں اپنے احساسات اور حواس پر قابو رکھتا ہے اور یہ بھی نہیں بھولتا کہ اس کو چاروں طرف سے ایک وسیع دنیا گھیرے ہوئے ہے۔ وہ اگر پرواز بھی کرتا ہے تو اس کی نظر زمیں سے اس کا آشیانہ اوجھل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے اشعار میں محبت کی شدت کے ساتھ ساتھ ایک عملی انسان کا عکس جھلکتا ہے۔

ان ہاتھوں نے ہر سال بنایا ہے نشیمن ؎ ہر سال نشیمن پہ بلا آئی ہے دیکھو

سنبھل، جنوں لیکر آئے ہیں دیوانے ؎ عقل کے دور اہے پر کھو گئے ہیں فرزانے

ستم مجھ پر اسی انداز سے پیہم کئے جاؤ ؎ تمہاری دشمنی بھی دوستی معلوم ہوتی ہے

جانے کیا کیا عشق پر الزام آتے جا رہے ؎ پھر بھی دیوانے وفا کے گیت گاتے جا رہے

جلیلؔ کے کلام کا بیشتر حصہ فنی نقطۂ نظر سے بے جان اور تصنع کا آئینہ دار ہے۔ یا بالفاظِ دگر یہ گیسو ابھی کسی چابکدست شانہ کا محتاج ہے۔ لیکن اس ادبی کم عمری میں جو مضامین اس نے نظم کئے ہیں وہ بیحد مؤثر اور قوی ترین احساسات کے ضامن ہیں۔ یہی ایک ایسی حقیقت ہے۔ جو ان کے مستقبل کی تابناکی کی گواہی دیتی ہے۔ اس ضمن میں یہ چند اشعار

اور ملاحظہ فرمائیے۔

مجھے پاسِ بندگی تھا ترے آستاں کا ورنہ ؛ کئی بار دیر و کعبہ مری رہگذر میں آئے

اسی باعث تو دنیا کی مصیبت کم نہیں ہوتی ؛ یہ دنیا غم تو دیتی ہے شریکِ غم نہیں ہوتی

ہر اشارہ پہ ترے سجدہ کیا ؛ بندگی رسوا ہوئی ۔ رسوا سہی

کسقدر چرچا ہے اپنا کوچہ و بازار میں ؛ جیسے اک میں ہی لٹا ہوں دل کے کاروبار میں

کوئی نوچ لے بڑھ کے سورج کا چہرہ ؛ "لہو رنگ" شہرِ وفا ہو رہا ہے

۱۷ر دسمبر ۱۹۷۱ء

عالم فتحپوری
آگرہ

از مشیر احمد

جلیل الہ آبادی صاحب سے میری ملاقات تقریباً دو سال ہوئے پونہ میں ہوئی۔ پونہ کے دورانِ قیام میں پہلی ملاقات کے بعد اکثر ان سے ملنے اور ان کے کلام سے محظوظ ہونے کا موقع ملتا رہا۔ پونہ جانے سے قبل مجھ کو یہ علم نہیں تھا کہ وہاں اردو کا اور اردو شاعری کا اس قدر چرچا ہوگا۔ وہاں رہنے کے زمانے میں مجھ کو یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ وہاں کا ادبی ماحول اچھا خاصہ ہے اور شعر و سخن کی نشستیں اور محفلیں اکثر ہوتی رہتی ہیں۔ ان نشستوں میں بھی مجھکو اکثر حاضری کا موقع ملا۔ اور جلیل الہ آبادی کا کلام سننے کا شرف حاصل ہوا۔ جلیل نے میدانِ شاعری میں غزل کو اپنایا ہے۔ اور عمدہ مذاق پایا ہے۔ زبان صاف ستھری اور اکثر خیالات اور پیرایۂ اظہار شگفتہ و دل پسند ہوتا ہے۔ جلیل پونہ میں اردو کی ترویج و توسیع کے کام میں بھی کوشاں و پیش پیش رہتے ہیں۔ نیز اکثر مشاعرے آپ ہی کی ادبی کاوشوں کے منت پذیر ہیں۔

مجھے بڑی مسرت ہے کہ اب ان کے کلام کا ایک شعری مجموعہ (لہو رنگ) شائع ہو رہا ہے۔ خدا کرے یہ مجموعۂ کلام اور کئی مجموعوں کا پیش خیمہ ثابت ہو۔

مزید ناظرین سے استدعا ہے کہ "لہو رنگ" ایک نظر دیکھ کر شاعر کی شعری صلاحیتوں سے صحیح طور پر محظوظ ہو کر ایک فن کار کی حوصلہ افزائی کریں۔ نیز ان کے مذاقِ سخن کو دو بالا کرنے میں ممد و معاون ہوں۔

مشیر احمد

۳۰ر جولائی سنہ ۱۹۷۰ء

ایڈیشنل چیف پروڈیوسر۔ فلم ڈویژن۔
ڈیفینس فلم ونگ۔ گورنمنٹ آف انڈیا۔
منسٹری آف انفرمیشن اینڈ براڈکاسٹنگ
لاٹین روڈ۔ دہلی ۱۔

قطعۂ تاریخِ اشاعت "لہورنگ"

از نتیجۂ فکر امیر الشعراء حضرتِ نیّر سلیمی مدظلہ العالی پونہ

"لہورنگ" کے رُخ سے آنچل جو سرکا ٭ عیاں ہوگیا جلوہ نقد و نظر کا
جھلک سے نقوشِ معانی کی اُبھرا ٭ خد و خال ہر ایک زیر و زبر کا
نئے راہرو کو رہِ نو دکھا کر ٭ کیا مرتبہ حاصل اک راہبر کا
ملا گم شدہ منزلوں کا ٹھکانہ ٭ لگا کھوج کھوئی ہوئی رہ گذر کا
ملک تھے ہوئے دیکھکر محوِ حیرت ٭ یہ جلوہ بشر کے کمال و ہنر کا
یہ کہنے لگے مجھ سے سب آکے نیّر
"لہورنگ"! شہکار ہے یہ بشر کا

۱۳ ھ ۹۰

قطعۂ تاریخِ اِشاعت "لہورنگ"

از: نتیجۂ فکر حکیم رازی ادیبی - پونہ

شفا بخش رُخ سے جو پردہ ہٹایا
دکھایا مسیحِ معانی نے جلوہ!
نہاں اس میں گنجِ مداوا ہے رازی
"لہورنگ" شوقِ بشر کا ہے نسخہ

۱۹ ع ۷۰

قطعۂ تاریخ اشاعت "لہورنگ"

از :- نتیجۂ فکر حکیم رازی ادیبی - پونہ

کلام جلیل سخن آشنا ٭ بفضل خدا آج شائع ہوا

نظر جب پڑی اس پہ احباب کی ٭ سبھوں نے کہا مرحبا مرحبا

"تم اے رازی سال اشاعت لکھو

لہورنگ منظوم چھاپا گیا"

۱۳۹۰ ھ

مقدمہ

از: نشتر اکبر آبادی

ہمارا شہر یعنی سرزمین "پونہ" کئی اعتبار سے اہم مقام رکھتی ہے اور انفرادی حیثیت بھی؟ جس کی ایک کڑی شعر و ادب بھی ہے۔ ویسے بھی یہ زمین "عروسِ دکن" کہلاتی ہے۔ صرف اس نام پر اگر آپ غور کریں تو ایسا محسوس ہوگا کہ اختر شیرانی کی ایک مرصع غزل سن لی۔ جو لوگ یہاں رہتے ہیں۔ وہ کیوں کر با ذوق نہیں ہو سکتے شاعری دراصل جذبات کے اظہار ہی کا تو نام ہے۔ جلیل الہ آبادی جس وقت مجھ سے ملے تو ان کی بات چیت میں شاعری چھپی ہوئی تھی۔ اور وہ بھی کسی طرح "عروسِ سخن" کے اسیر تھے۔ جس وقت انھوں نے مجھ سے رشتۂ تلمذ جوڑا ان کے سینہ میں ایک درد بھرا دل میں نے محسوس کیا۔ تقریباً دس سال سے وہ مجھے شعر دکھلاتے ہیں لیکن آج جو میں نے ان کے اندر فرق محسوس کیا وہ یہ کہ جو تڑپ کبھی ان کی باتوں میں تھی اب وہ شعروں میں ملتی ہے۔ یہ ہے ان کی دس سال کی محنت کا پھل۔ نمونے کے طور پر ان کا ایک شعر ملاحظہ کیجئے ؎

شہر کا دامن غرق لہو ہے کس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا

جلیلؔ کے یہاں اس قسم کے اشعار بے شمار ملتے ہیں جس میں انھوں نے ماحول کی صحیح عکاسی کی ہے۔ ایک روز وہ میرے پاس آئے اور بڑے جھجکتے ہوئے انداز میں مجھ سے کہا کہ ایک صاحب میرا کلام شائع کرانے پر بضد ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے

بات یقیناً قابلِ غور تھی۔ میں نے اس وقت تو کوئی جواب نہیں دیا۔ اور دو چار روز سوچتا رہا۔ اسی دوران مجھے ایک واقعہ جناب حمید لکھنوی کا یاد آیا۔ جناب حمید لکھنوی حضرت جگر مرادآبادی کے عزیز ترین شاگرد ہیں۔ نعتِ شریف میں اپنا ایک خاص رنگ رکھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب جگر صاحب بقیدِ حیات تھے، اس وقت حمید صاحب کو کسی مشاعرہ کی دعوت ملی۔ اور دعوت نامہ میں یہ تحریر تھا کہ اس مشاعرہ کی صدارت بھی آپ فرمائیں گے۔ حمید صاحب جگر صاحب کے ہوتے ہوئے یہ کیسے گوارا کرتے۔ حمید صاحب نے فوراً جگر صاحب کو ایک خط لکھا کہ حضرت اگر آپ اس مشاعرے کی صدارت قبول فرمالیں تو میں اس بارِ گراں سے بچ جاؤں۔ آپ کے ہوتے ہوئے صدارت کروں کچھ اچھا نہیں لگتا۔ جگر صاحب نے خط پڑھا اور پُرخلوص انداز میں تحریر فرمایا کہ میاں اللہ کے انعام میں پس و پیش کرنا کفرانِ نعمت ہے۔ قدرت تمہیں نواز رہی ہے تو پیچھے کیوں ہٹتے ہو۔ یہ واقعہ جس وقت میرے حافظہ میں اُجاگر ہوا تو میں نے فوراً اس کی تلقین کی اور جلیل صاحب سے کہا آپ ہاں کر لیجئے۔ یہ ہے جلیل صاحب کی کتاب کا شانِ نزول۔ بہرحال کتاب کا نام تجویز کرکے کتاب کی تیاریں شروع کردی گئیں۔ اور لہورنگ "چند کرم فرماؤں کے تعاون سے ظہور میں آگئی۔

اب جہاں تک جلیل صاحب اور ان کی شاعری کی بات ہے اس ضمن میں صرف اتنا ہی کہوں گا۔ کہ جلیل الہ آبادی کی شخصیت اور ان کی شاعری دونوں آئینہ کے مانند ہیں۔ جو ان کی شخصیت ہے ویسی ان کی شاعری ہے۔ جو لوگ ان سے ملے ہیں وہ خوب اس حقیقت کو جانتے ہیں۔ اور یہ بات عام طور پر ہر شاعر کے یہاں نہیں ملتی۔

جس کا شکوہ آج بھی اور ہر زمانہ میں ہمارے عوام کو رہا ہے ؎

اور اس دور ترقی میں کمی کیا ہے جلیل
ہے کمی کوئی تو انسان کی کمی ہے پیارے

اب رہا سوال شاعری اور فن ۔ تو اس کا بالکل قید ہو جانا یا یک لخت اس کا حصار توڑ دینا میری رائے میں دونوں ہی غلط سی باتیں ہیں ۔ فن کی قید ضروری ہے ۔ لیکن وقت کے تقاضے بھی پیش نظر رہنا ضروری ہیں ۔ اگر ایسا نہ کیا تو آپ اور آپ کی شاعری دونوں کسی صف میں نہ آسکے ۔ "چونکہ آپ زمانہ کو کچھ نہ دے سکے" اس لئے آپ خود ایک عظیم خدمت سے محروم رہ گئے ۔ اور یہ خسارہ ہمیشہ کے لئے ایک خلا بنکر رہ جاتا ہے ۔ یہ سچ ہے کہ وقت کا مرہم بڑے بڑے زخم بھر دیتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تاریخ گذشتہ واقعات دہراتی بھی ضرور ہے ۔ اور اس وقت وہ خسارہ جو بھلایا جاچکا ہے از سر نو جنم لیتا ہے ۔ جیسا کہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ فن کی قید کے ساتھ حالات کا آئینہ پیش نظر رہنا ضروری ہے ۔ عام طور پر شاعری دو قسم کی کی جاتی ہے ایک قافیہ بندی ، دوسری خیال بندی ۔ جہاں شاعر خیال پر قافیہ کو ترجیح دیتا ہے وہیں مقصد کی موت واقع ہو جاتی ہے اور جہاں خیال کو فوقیت دی جاتی ہے ۔ یقیناً اس سے فائدہ پہنچتا ہے ۔ اس خیال کی روشنی میں جلیل آلہ آبادی کا ہی ایک قطعہ ملاحظہ کیجئے

دوستو بات جیسی بات کہو
دن کو دن رات ہو تو رات کہو

یہ جدید و قدیم کیسا ہے
شعر میں مقصد حیات کہو (جلیل)

آخر میں اتنا ضرور عرض کروں گا ۔ کہ نثر نگاری شاعر کے لئے بڑی ٹیڑھی کھیر ہوتی ہے اس لئے میرے قلم سے جہاں بھی لغزش ہو گئی ہو تو معاف فرمائیں ۔

امید کہ تمام ادبی حلقہ "لہو رنگ" کا خاطر خواہ استقبال

کریں گے۔ تاکہ ہماری زبان اور ہمارے ادب کو فائدہ پہنچے۔

فقط

نشتر اکبرآبادی

(پونا)

تعارف و تشکر

از:- جلیل الہ آبادی (پونا)

نام عبدالجلیل تخلص جلیل الہ آبادی جائے پیدائش نزد الہ آباد سرائے داؤد، پھولپور۔ تعلیم ڈگری کوئی حاصل نہ کرسکا۔ گھر کے تعلیمی ماحول سے جو کچھ ملا۔ اس کو مقدر سمجھا۔ ۱۵ سال کی عمر میں شعر سننے اور شعر یاد رکھنے کا ذوق پیدا ہو چکا تھا۔ اسی دوران کاروباری سلسلہ میں پونہ آنے کا اتفاق ہوا۔ کبھی پونہ کبھی الہ آباد۔ یہ زندگی کے دو مرکز آج بھی ہیں۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں خوش قسمتی سے میری ملاقات حکیم رازی صاحب سے ہوئی۔ جو اکثر اپنے اور دوسروں کے اشعار مجھے سناتے اور مجھ سے سنتے۔ اس طرح طبیعت اور شعر گوئی کی طرف راغب ہوئی۔ اساتذہ کے کلام کا مطالعہ کرتا رہا۔ اور کچھ کہنے کی کوشش کرنے لگا۔ کرم فرما رازی صاحب کو میری فکر کا اندازہ ہو گیا اور وہ میری حوصلہ افزائی کرنے لگے۔ پونہ میں مستقل قیام نہ ہونے کی وجہ سے الہ آباد آتا جاتا رہا۔ جس میں کم و بیش دس سال کا عرصہ گزر گیا۔ انھیں دنوں جناب نشتر اکبرآبادی پونہ میں قیام فرما تھے قبلہ رازی صاحب کے ذریعے ان تک میری رسائی ہوئی۔ اور خوش قسمتی سے مجھے آپ کی رہبری کا فخر حاصل ہوا جسکے باعث میرا ذوق شعر گوئی بڑھتا گیا۔ پونہ کے بزرگ شاعر حضرت نیر سلیمی جو بڑے

پُرخلوص اور نیک طبیعت کے مالک ہیں اکثر و بیشتر مجھے اپنے نیک مشوروں سے نوازتے رہے ہیں۔ اور اب "لہورنگ" پر قطعہِ تاریخ کہہ کر جو آپ نے عزت بخشی ہے اس کا میں بے حد ممنون ہوں۔ میرے محترم حکیم راّزی صاحب جو حضرتِ ادیب مالیگانوی کے شاگرد ہیں۔ آپ ایک اچھے حکیم کے علاوہ اچھے انسان بھی ہیں۔ آپ نے "لہورنگ" شائع کرانے میں اپنا بڑا قیمتی وقت صَرف کیا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ قطعہِ تاریخ جو دیا ہے اس کا میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ سوچتا ہوں اپنے کرم فرماؤں کا کس طرح شکریہ ادا کروں۔ میرے محسن ادیب الملک راجندر سنگھ بیدی صاحب نے جو اپنے قلم مبارک سے "لہورنگ" کو نواز کر شرف بخشا ہے۔ وہ میری بساط سے زیادہ ہے۔ باوجود عدیم الفرصتی اور ذمہ داریوں کے جو وقت آپ کا خرچ ہوا ہے اس کا میں لفظوں میں کس طرح شکریہ ادا کروں۔ تاہم شکر گزار ہوں (۲) عالی جناب منیر احمد صاحب نے مجھ ناچیز کو اس قابل سمجھا اور میرے کلام کو اس قابل سمجھا۔ جتنا کہ نہیں ہے۔ آپ نے اپنے خلوص سے نواز کر جو بڑے پن کا ثبوت دیا ہے اس کا میں مشکور ہوں۔ "کہیں کہیں کوئی انسان نظر آتا ہے"؟ میرے استادِ محترم جناب نشتر اکبر آبادی ہی کی سرپرستی میں کتاب "لہورنگ" اپنی منزل تک پہنچی ہے۔ جہاں آپ کا مجھ پر کرم بے حساب ہے وہاں آپ نے مقدمہ لکھنے کی بھی زحمت اٹھائی ہے۔ اور آپ نے فکر و فن سے کتاب کو جو تابندگی بخشی ہے اس کا میں تاعمر شکر گزار رہوں گا۔ آپ کے

بارے میں اتنا ہی لکھنا کافی ہوگا۔ کہ بہت سی خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپ حضرت عالم فتح پوری کے عزیز اور عظیم شاگرد ہیں۔

شاید عالم صاحب نے اپنے ایسے ہی عزیز شاگردوں کے لئے کہا ہے۔

میر و غالب بھی یہیں کے تھے، یہیں کے تھے نظیر
اکبر آباد کی مٹی میں ہے طرفہ تاثیر
جو یہاں بوند برستی ہے گہر بنتی ہے
گرد بھی اس کی اگر اڑ کے پہنچتی ہے کہیں
سرمۂ دیدۂ ارباب نظر بنتی ہے

عقیدتاً چند اشعار اپنے استاد کے پیش کرتا ہوں جو مجھے بے حد پسند ہیں۔

اپنے سے بھی زیادہ وہ رکھنا مرا خیال ، یاد آرہے ہیں آپ کے احساں کئے ہوئے (نشتر)
ہم سے تو اپنے دل کا نہ بدلا گیا مزاج ، جس شہر میں رہے کسی قاتل کے گھر رہے "
سمجھے نہ مگر معنیٰ اک لفظِ محبت ، برسوں سے کتابوں کے ورق چھان رہے ہیں "

جب میں اپنے استاد کے سلسلۂ تلمذ پر غور کرتا ہوں تو اپنے آپ کو کس قدر خوش قسمت تصور کرتا ہوں شاید لفظوں میں ادا نہ کر سکوں۔

مکرمی و معظمی عالم صاحب کی ذات گرامی سے ہندوستان و پاکستان کا کون سا ایسا چپّہ ہے۔ جو واقف نہیں۔ ہر جگہ آپ کے نغمات پر سر دھننے والے موجود ہیں۔

مجھ ناچیز پر عالم صاحب نے جو کرم فرمایا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ذرّہ کو آفتاب بنایا ہے۔ اُمید کہ عالم صاحب مجھے روحانی طور پر ہمیشہ قریب رکھیں گے۔

تاکہ میں اُن سے کسبِ نور کرتا رہوں ۔

بات نبجی نہ ہوئی حضرتِ سیمآب کے بعد
اکبرآباد کو عالم سا سخن ساز ملا

اس کے علاوہ میرے عزیز دوست سیّد اشرف علی صاحب جو قریب ایک سال سے میرے بہت قریب ہیں۔ اشرف صاحب بڑے سخن فہم اور ہر دل عزیز انسان ہیں۔ شعر و شاعری سے آپ کو دلی لگاؤ ہے۔ خوبیٔ قسمت کہ آپ نے میرا کلام اسقدر پسند فرمایا کہ بعد "خلوص لہو رنگ" کے اخراجات کا بوجھ اپنے سر لیکر مجھ پر یا میرے کلام پر ہی نہیں بلکہ اُردو ادب اور اُردو زبان پر احسان فرمایا ہے۔ جسکا میں ممنون ہوں۔ فقط والسّلام

(جلیس الہ آبادی)

غزلیں

Scanned with CamScanner

نعت

گزارش ہے شہِ کون و مکاں سے
بچالو مجھ کو آلامِ جہاں سے

نشیمن پر مرے ہی یا محمدؐ
ستم سب ٹوٹتے ہیں آسماں سے

خبر لو رہبرِ شاہِ مدینہ
میں پیچھے رہ گیا ہوں کارواں سے

تمنّا ہے یہی جی بھر کے رو لوں
لپٹ کر میں تمہارے آستاں سے

جلیلِؔ رو سیہ پر بھی کرم ہو
صبا کہنا شفیعِ عاصیاں سے

خلقتِ شہر ترے در پہ کھڑی ہے پیارے
ہر نظر تیری نظر چوم رہی ہے پیارے

پھر لہو غم کو ترے نذر کیا ہے میں نے!
پھر غزل میں نے نئی تازہ کہی ہے پیارے

ایک تو نے ہی کیا آئینِ وفا توڑ دیا!
ساری دُنیا ہی وفا بھول گئی ہے پیارے

تو ہی بتلا کہ میں اس بزم میں جاؤں کیسے
بات کرنی بھی جہاں بے ادبی ہے پیارے

لوگ پھر سنگِ گراں دل کے مقابل لائے
شہر میں پھر نئی اک رسم چلی ہے پیارے

یوں تو اس دورِ ترقی میں کمی کیا ہے جلیل
ہے کمی کوئی تو انساں کی کمی ہے پیارے

پاس اک شاعرِ نادار کے رکھا کیا ہے
تیری یادوں کے سوا اور اثاثہ کیا ہے

دو ہی رُخ ہوتے ہیں تصویر بُری ہو کہ بھلی
جسکی تعبیر نہ ہو کوئی وہ "سپنا" کیا ہے

جیسے ویران گذرگاہ کا پتھر کوئی !
اور دیوانہ کی تصویر میں رکھا کیا ہے

کس طرح پھر ترے وعدہ پہ بھروسہ کر لوں
ایک گرتی ہوئی دیوار کا سایہ کیا ہے

کیوں مرے نام کا چرچا ہے ترے شہر میں آج
کیا وفا جرم ہے آخر یہ تماشہ کیا ہے

جانے کب وقت کی رفتار بدل جائے جلیس
کون جانے میری تقدیر میں لکھا کیا ہے

ترے کرم کے سہارے اگر حیات چلے
چلے خلاف مرے ساری کائنات چلے

تمہارے ساتھ تو کچھ دن تعلقات چلے
چلے تو گردشِ دوراں ہمارے ساتھ چلے

ترے بغیر کہیں جی بہل نہیں سکتا
حرم کی بات ہو یا ذکرِ سومنات چلے
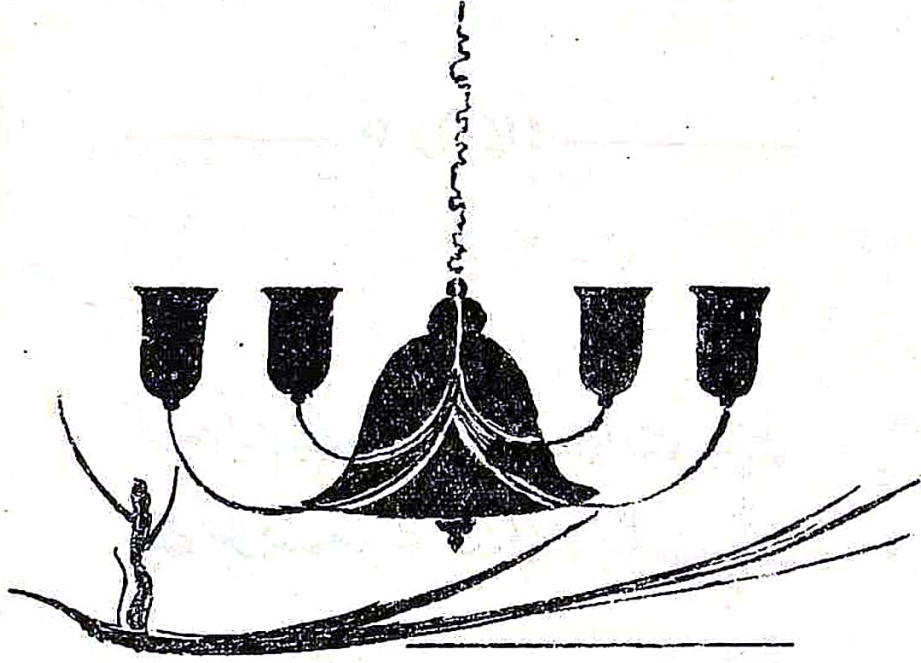
زمانہ آج اس دیر و حرم میں سر بسجدہ ہے
جہاں انسان بھولا جا رہا ہے فرضِ انسانی

○

مزہ تو جب ہے کہ انسان اس طرح سے جئے
اجل کے سینہ پہ ہنستی ہوئی حیات چلے

تمام رات "لہو رنگ" کر چکے دِل کا
سحر قریب ہے اب اور کوئی بات چلے

ہمیں نے جا کے اذانِ سحر وہاں پر دی
مہ و نجوم بھی کھا کر جہاں سے مات چلے

چلو جلیسؔ رہیں ایسے شہر میں جا کر
بغیر ساز کے جس شہر میں برات چلے

مجھ پر مصیبت کا یہ تیر کیا ہے
بتا اے فلک میری تقصیر کیا ہے

جہاں رہ گیا طائرِ دل اُلجھ کر
نہ پوچھو وہ زلفِ گرہ گیر کیا ہے

یہ پوچھو ذرا رہبرانِ وطن سے
شہیدوں کے خوابوں کی تعبیر کیا ہے

یہ مانا چمن میں ہے جشنِ بہاراں!
مگر لالہ و گل کی تقدیر کیا ہے

سرِ شام ہی جن کی لَو تھرتھرائے!
جلیل اُن چراغوں کی تنویر کیا ہے

یوں گذرتی ہے تری یاد کی جاگیر کے ساتھ
زندگی جیسے گزارے کوئی تقصیر کے ساتھ

اک زمانہ ہوا تنہائی کو آباد کیئے!
جی رہا ہوں میں کسی خواب کی تعبیر کے ساتھ

رہ گیا زیست کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر!
کھیلتی رہتی ہے گردش مری تقدیر کے ساتھ

پائے وحشت نے کہیں چین سے رہنے نہ دیا!
رقص کرتے رہے زنداں میں بھی زنجیر کے ساتھ

دور رہ کر بھی ترے پاس رہا ہوں اکثر!
بات کرتے رہا پہروں تری تصویر کیساتھ

کیا یہ سچ ہے کہ جو احباب بناتے ہیں جلیل!
وہ بھی بدنام ہوئے ہیں مری تحریر کے ساتھ

دوستو ایسی کوئی شمع جلاؤ تو سہی
وقت کی تیرہ فضاؤں کو مٹاؤ تو سہی

فرشِ گل پر بہت آسان ہے چلنا یارو
آؤ کانٹوں پہ ذرا چل کے دکھاؤ تو سہی

دوستی گرچہ نبھانی نہیں آتی تم کو!
دشمنی یارو سلیقے سے نبھاؤ تو سہی

پھر کوئی عشق کی تاریخ مرتب ہوگی
اپنے جلووں سے در و بام سجاؤ تو سہی

تم بھی شاعر ہو چلو مان لیا سچ ہے جلیل
وقت کی لے پہ کوئی نغمہ سناؤ تو سہی
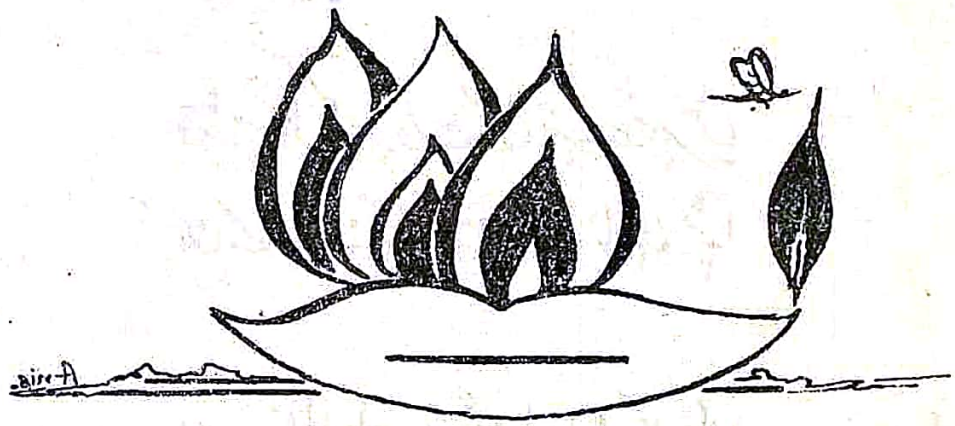
حقیقت کچھ تو ہے شمع جو تیری لو میں جلتے ہیں
وگرنہ آگ میں جلتے تو پروانے نہیں جاتے

زیست کی راہِ حسیں سے دور ہونا ہی پڑا
وقت کے ہاتھوں ہمیں مجبور ہونا ہی پڑا

وحشتِ دل کی بدولت آج تیرے شہر میں
بن کے دیوانہ ترا مشہور ہونا ہی پڑا

یوں وفا کی راہ سے گذرا ہمارا کارواں
اہلِ دل کو واقفِ دستور ہونا ہی پڑا

ہم سے دیوانے چلے ہیں لیکے جب شمعِ حیات
ہر اندھیری رات کو پُر نور ہونا ہی پڑا

اس قدر حسنِ بتاں کو عشق نے پوجا جلیل
فطرتِ معصوم کو مغرور ہونا ہی پڑا

دامن کے تار تار میں موتی پروئیے
حد سے بڑھا ملالِ جدائی تو روئیے

فکرِ جہاں نے جب بھی کیا دل کو بے قرار
تھک کر ترے خیال کی باہوں میں سوئیے

جرمِ وفا کی اور کوئی دیجیے سزا
اپنی جفا سے میری وفائیں نہ تولیے

غم پر خوشی کو مائلِ الطاف دیکھ کر
دل میں کئی فریب کے نشتر چبھوئیے

نازک ہیں زندگی کے تقاضے بہت جلیل
حالات کہہ رہے ہیں مگر کچھ نہ بولیے

(۵)

ہاتھوں میں لئے دل کے نذرانے نظر آئے
یوں بھی تری راہوں میں دیوانے نظر آئے

فرزانوں کی بستی میں دیوانے نہیں دیکھے
دیوانوں کی بستی میں فرزانے نظر آئے

ابتک تری دنیا کا "اقبال" تھا رکھوالا
آگے تری دنیا میں کیا جانے نظر آئے

کلیوں کے چٹکتے ہی یہ کیسی فضا بدلی
دامن میں گلستاں کے ویرانے نظر آئے

ماضی کے دھندلکوں میں، میں کھو سا گیا اکثر
ایسے بھی رسالوں میں افسانے نظر آئے

گذرے نہ بلبل ایسے حالات سے نشیمن بھی
جلتے ہوئے ساتھی کے آشیانے نظر آئے

ترے شہر میں اب مری بات کیا ہے
لٹے اک مسافر کی اوقات کیا ہے

جہاں لالہ و گل قدم چومتے تھے
وہاں پتھروں کی یہ برسات کیا ہے

جہاں لب ہلانے پہ پابندیاں ہوں
سنے کون دل کی مناجات کیا ہے

وہاں دل ہی کیا جان و ایمان دے دوں
جہاں پیار ہو عذر کی بات کیا ہے

جنہیں آدمیت سے ہو بیر لوگو
بھلا ان سے رسم و ملاقات کیا ہے

جلیل اب وہ گزرے ہوئے دن بھلا دو
یہ دل میں ہجوم خیالات کیا ہے

وہ آگ تیرے غم نے لگائی ہے ان دنوں
شعلوں کی جیسے دل پہ خدائی ہے ان دنوں

ڈرتا ہوں آنہ جائے کہیں حرف حسن پر !
بات امتحانِ عشق تک آئی ہے ان دنوں

کافور ہوگئی ہے میری ظلمتِ حیات !
دل میں یہ کس کی جلوہ نمائی ہے اِن دنوں

ہیں عالم خیال میں ان سے قریب ہوں !
یہ اور بات ہے کہ جدائی ہے ان دنوں

ہیں ان کے التفات کی وسعت کو کیا کہوں
جیسے کہ میرے ہاتھ خدائی ہے ان دنوں

گلزار بن ہی جائیگا آتشکدہ جلیل
راہِ خلیل زیست نے پائی ہے اِن دنوں
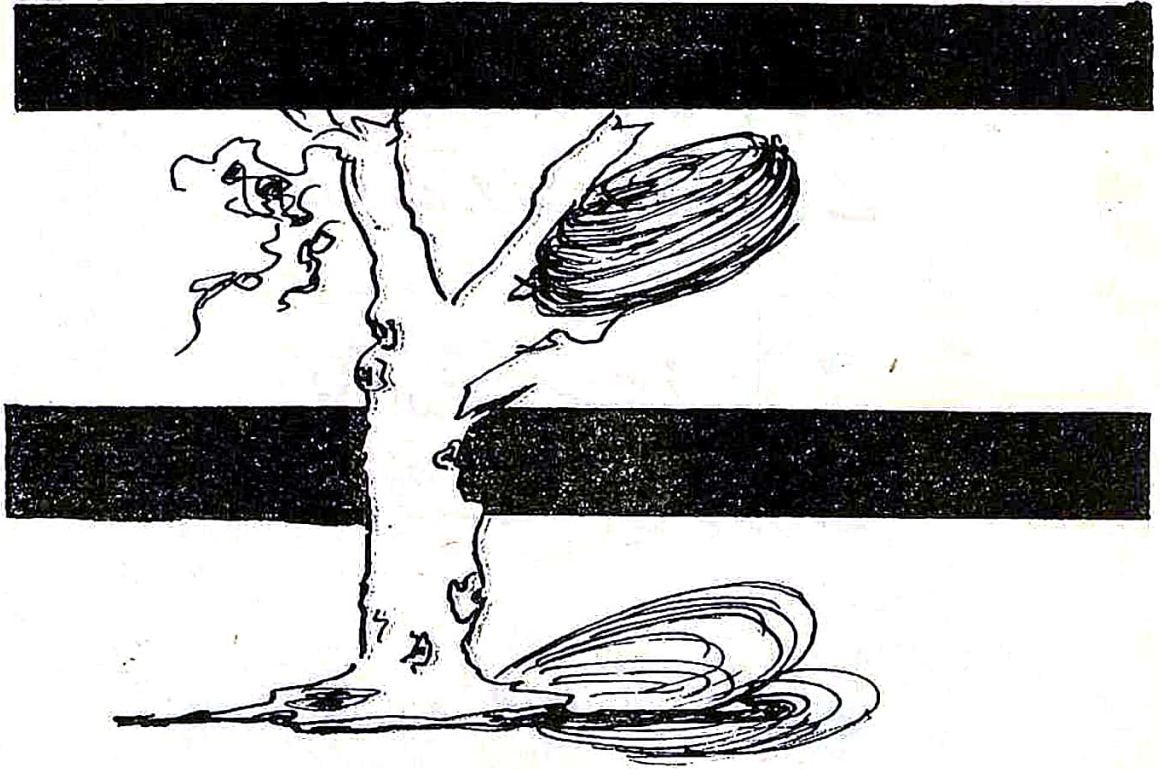
ہے حلیں روشنی کی مرے گلستاں کو حاجت
میں بنا چکا نشیمن کہو برق مسکرائے

قضا مل رہی ہے گلے زندگی کے
صلے کیا یہی ہیں تری پیروی کے

جہاں تیرے جلوؤں نے انگڑائیاں لیں
ارادے جواں ہو گئے بندگی کے

کوئی اور تازہ ستم مجھ پہ ٹوٹے
ابھی حوصلے کم نہیں زندگی کے

بہارو سنبھل کر گزرنا چمن سے!
ہیں دامن میں کانٹے چھپے ہر کلی کے

جنھیں ہم نے سجدے کئے زندگی بھر
خدا بن گئے وہ کسی اور ہی کے

سنا ہے جلبیں اب جہانِ خرد میں
ہیں چرچے بہت اپنی دیوانگی کے

کہاں ہو مری زندگی کے سہارو
کبھی تو مرا نام لے کر... پکارو

جسے ناخدا نے حوادث کو سونپا!
اُسے تم نہ آواز دو اے کنارو

ہر اک زخمِ دل پھول سا بن گیا ہے
مُبارک تمہیں گلستاں اے بہارو

مقدّر میں اپنے سویرا نہیں ہے
کہاں تک مرا ساتھ دو گے ستارو

سرِ دار چل کر اذانِ سحر دیں
مرے ساتھ آؤ شبِ غم کے مارو

کہاں تک تغافل جلیلِ حزیں سے
کہاں تک اسے آزماؤ گے یارو

مرا انیس مرا غم ہے تم نہ ساتھ چلو،
تمہارا اور ہی عالم ہے تم نہ ساتھ چلو

عجب تضاد کا موسم ہے تم نہ ساتھ چلو
چھپائے شعلوں کو شبنم ہے تم نہ ساتھ چلو

خوشی تو غرقِ غمِ روزگار ہے میری
لبِ حیات پہ ماتم ہے تم نہ ساتھ چلو

ہر ایک موڑ پہ جلتے ہیں غربتوں کے چراغ
قدم قدم پہ نیا غم ہے تم نہ ساتھ چلو

زمین خون اگلتی ہے چرخ انگارے
نظامِ دہر بھی برہم ہے تم نہ ساتھ چلو

ابھی جلی تو ہے تہذیبِ نو کی شمع مگر
ابھی یہ روشنی مدھم ہے تم نہ ساتھ چلو

جگر کے خون سے بنایا ہے میں نے سرخ جسے
وہ میرے ہاتھ میں پرچم ہے تم نہ ساتھ چلو

ابھی بنانے ہیں آئینِ دار و زنداں کے !
یہ فرض ہم پہ مقدم ہے تم ساتھ چلو

ہر ایک تار لرزتا ہے سازِ ہستی کا !
عجیب وقت کا سرگم ہے تم نہ ساتھ چلو

ہے چیرہ دستِ زمانہ یہ ان سے کہہ دو چلیں
تمہاری زلف بھی برہم ہے تم نہ ساتھ چلو

دُور منزل سہی مگر اے حسیں
یہ نہ سمجھو کہ حوصلہ کم ہے

ظلمت نے گلستاں کو اس طرح سے گھیرا ہے
ہر پھول کی پتی کے دامن میں اندھیرا ہے

جائیں تو کہاں جائیں ہر سمت اندھیرا ہے
یوں گردشِ دوراں نے زلفوں کو بکھیرا ہے

تاریخ مورخ کیا اِس دور کی... لکھے گا
انسان کی بستی میں اِنسان لٹیرا ہے

○

کیوں اہلِ گلستاں کی آنکھوں میں کھٹکتے ہیں
ہم اہلِ محبت کا کانٹوں پہ بسیرا ہے

آئینہ نگاہوں کو کوئی تو نظر آئے
ہر سمت سیاہی ہے یہ کیسا سویرا ہے

ناکامیِ الفت کا کیوں تجھ سے کروں شکوہ
یہ جرم حقیقت میں تیرا نہیں میرا ہے

ایسے میں چلیں کیسے آخر منزل کی تمنا کیا
تا حدِ نظر جب کہ راہوں میں اندھیرا ہے

نہیں ہو تم تو ہر شے اجنبی معلوم ہوتی ہے
بہارِ زندگی کانٹوں بھری معلوم ہوتی ہے

چراغِ زیست کی لو تھرتھراتی ہے چلے آؤ!
مجھے ہر سانس اپنی آخری معلوم ہوتی ہے

بتاؤں کیا تمہاری چشمِ اُلفت کی اثر ریزی
رگ و پے میں اترتی برق سی معلوم ہوتی ہے

○

ستم مجھ پر اسی انداز سے پیہم کئے جاؤ!
تمہاری دشمنی بھی دوستی معلوم ہوتی ہے

جہاں دیکھا کسی نے بھی ہمیں چشمِ محبت سے
پلٹ کر زندگی آئی ہوئی معلوم ہوتی ہے

طوافِ دیر و کعبہ سے یہی حاصل ہوا مجھ کو
محبت ہی سراپا بندگی معلوم ہوتی ہے

جلیلؔ اک شمعِ حسرت بجھ گئی تو غم نہیں اس کا
ابھی داغِ جگر میں روشنی معلوم ہوتی ہے

کوثر کی طلب پھر کس کو ہو مٹ جائے جو یہ الزام مجھے
اک بار پلا دے للہ ساقی ان سرخ لبوں سے جام مجھے

سائے کی طرح سے پیچھے ہے - ہر موڑ پہ گردش دنیا کی
زلفوں کے سنہرے سائے ہیں دم لینے دے اے گلفام مجھے

بھٹکا ہوں تلاش منزل میں - بس اسکے سوا کچھ یاد نہیں
ٹھوکر ہے جو راہِ الفت میں ٹھوکر ہی سہی ہر گام مجھے

صد حیف کہ جنکی چاہت میں ٹھکرا دیا سارے عالم کو
کہتے ہیں وہی اب دیوانہ کیا خوب ملا انعام مجھے

جس در پہ گیا جس در پہ جھکا ٹھوکر سے نوازا بانہ کی
دنیا نے تمہاری چاہت میں کیا کیا نہ دیا الزام مجھے

آ اُو کہ جلیلِ خستہ جگر بیٹھا ہے تمہاری راہوں میں
کرنے دو جو دنیا کرتی ہے بدنام تمہیں بدنام مجھے
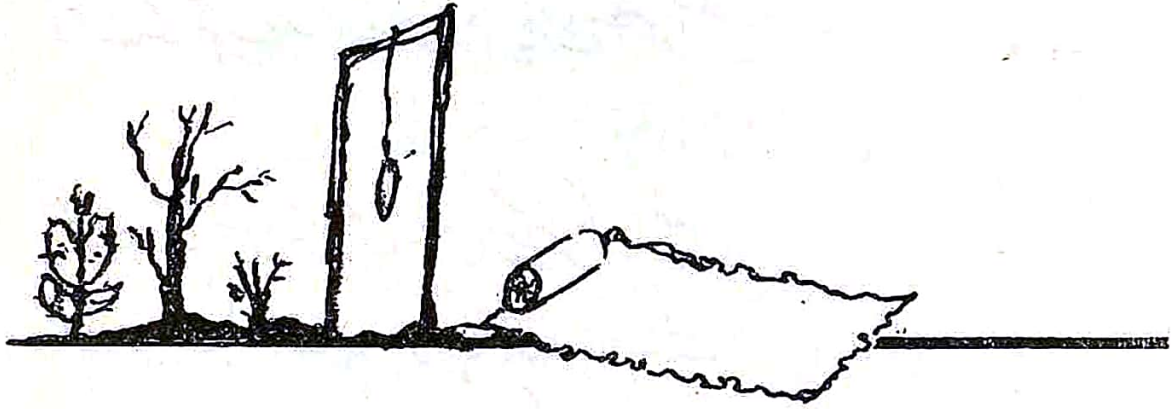
جنوں کو مجدِ طلب آزما کر
سرِ دار سونے کو جی چاہتا ہے

جا کر دُعا بھی عرش سے ناکام آگئی
اِک اور اپنے سر لئے الزام آگئی

راہِ وفا میں تلخ تھی ہر ہر نفس حیات
عمرِ اجل دراز مرے کام آگئی

وعدہ بھی ان سے ہونے نہ پایا وصال کا
لیکر پیام ہجر تو پھر شام آگئی

اے چشمِ شوق ہاں ذرا جرأت سے کام لے
تنویرِ حسن دیکھ لبِ بام آگئی

وقتِ سجود لب پہ ترا نام آگیا!
پوشیدہ تھی جو بات سرِ عام آگئی

ان کو ملی حیات کی رنگینیاں جلیل
حصہ میں اپنے گردشِ ایام آگئی

کل تھے ہم سے وابستہ کل جہاں کے افسانے
آج ہم سے یہ دنیا کیوں لگی ہے کترانے

ذہنِ ابنِ آدم کو کیا ہوا خدا جانے
نت نئی محبت ہے ۔ نت نئے ہیں افسانے

مشغلِ جنوں لے کر آ رہے ہیں دیوانے
عقل کے دوراہے پر کھو گئے ہیں فرزانے

چشم پر میخانے جب بھی مسکرائی ہے
آ گئے ہیں گردش میں جام اور پیمانے

کس کو غم سے فرصت ہے کون غم سے خالی ہے
حسرتوں کی یورش میں کون کس کو پہچانے

وقت کا تقاضا ہے یا کہ اپنی قسمت ہے
اے جلیسؔ اپنے بھی ہو گئے ہیں بیگانے

عشق میں جو حال ہے اپنا سہی
زندگی سودا ہے گو مہنگا سہی

ہے جنونِ عشق اپنا راہبر — !
راہِ الفت لاکھ پیچیدہ سہی

ہر اشارے پر ترے سجدہ کیا
بندگی رسوا ہوئی۔ رسوا سہی

○

ڈھونڈ ہی لے گی نگاہِ اہلِ دل
لاکھ وہ جلوہ پسِ پردہ سہی

تو نہیں ہے تو تری تصویر ہے
اب تری تصویر کو سجدہ سہی

ایک ہی مظہر کے ہیں جلوے تمام
کچھ سہی دنیا سہی عقبیٰ سہی

خیر ہم تو ہو گئے رسوا جلیلؔ !
یہ کرم بھی اُن کی اُلفت کا سہی
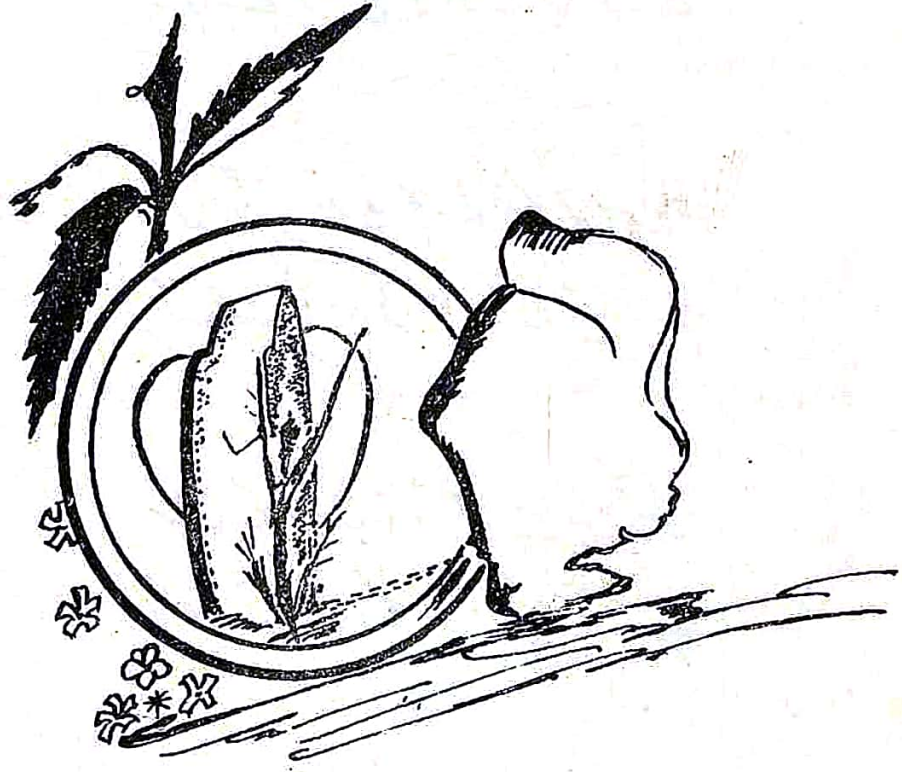
بن کے اس بُت کا پجاری اے جلیلؔ
کہئے کتنا فیض پایا آپ نے

ہم نے تری گلی کا ارادہ کیا تو ہے
دنیا سے دشمنی کا ارادہ کیا تو ہے

اُس سنگِ در پہ ہم نے جھکا کر سرِ نیاز!
اِک بت کی بندگی کا ارادہ کیا تو ہے

ساقی کے دستِ ناز میں پیمانہ دیکھ کر!
زاہد نے میکشی کا ارادہ کیا تو ہے

پھولوں کا دیکھ کر مرے دامن سے انحراف!
کانٹوں سے دوستی کا ارادہ کیا تو ہے

اب دیکھیے کہاں پہ رُکے کاروانِ شوق
رہزن نے رہبری کا ارادہ کیا تو ہے

اُن کی جلیبی زلفِ پریشاں کو دیکھ کر!
ہم نے بھی گرہ کشی کا ارادہ کیا تو ہے

(۱)

دعاؤں میں ہوگا اثر ہوتے ہوتے
خزاں کو ہوگی خبر ہوتے ہوتے

گلِ تر کو اک عمر گل ہی نہ جانا!
ہوئی ہے نظر معتبر ہوتے ہوتے

مکمل زمانے کی تاریخ ہوگی۔!
مری داستاں مختصر ہوتے ہوتے

سرِ شام ہی سے نگاہیں ہیں حیراں
خدا جانے کیا ہو سحر ہوتے ہوتے

سمجھنا مقاصد کا آساں نہیں ہے
ہوئے راہزن راہبر ہوتے ہوتے

جلیسؔ ہم سے پوچھو مداوائے اُلفت!
ہوئے فتنہ گر چارہ گر ہوتے ہوتے

محبت کا تقاضہ ہے کہ اب دیوانہ بن جائیں
حقیقت کو چھپا کر پیار کا افسانہ بن جائیں

فسانہ اور آؤ عشق کا رنگین بنا ڈالیں!
کہ تم بن جاؤ شمع حسن ہم پروانہ بن جائیں

غموں کو بھول جائیں چھیڑ دو نغمہ کوئی ایسا!
کشاکش سے غم و آلام کی بیگانہ بن جائیں

کریں زحمت گوارا وہ اگر گلشن میں آنے کی
گلوں کے خشک پیالے میکشو پیمانہ بن جائیں

کرم کی اک نظر جانِ بہاراں مجھ پہ ہو جائے
اُمیدوں کے چمن ایسا نہ ہو ویرانہ ہو جائیں

عجب انداز سے ذوقِ پرستش نے پکارا ہے
مری راہوں میں دونوں کعبہ و بتخانہ بن جائیں

سرِ منبر جلیل آتے ہیں واعظ جھومتے دیکھو
عجب کیا ہے کہ اب یہ مسجدیں میخانہ بن جائیں

(۵)

اسی کو دیر و حرم بھی سلام کرتے ہیں
ہم اہلِ دل جسے اپنا امام کرتے ہیں

وہاں کی خاک فرشتے بھی پا نہیں سکتے
جہاں پہ عشق کے مارے مقام کرتے ہیں

انھیں حیات میں اندیشۂ حیات کہاں،
جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں

وہیں پہ رہبرِ منزل کی گونجتی ہے صدا
رہِ طلب میں جہاں ہم قیام کرتے ہیں

غمِ حیات جنھیں راس آ گیا ہے جلیلؔ
وہ ہر ادائے ستم کو سلام کرتے ہیں
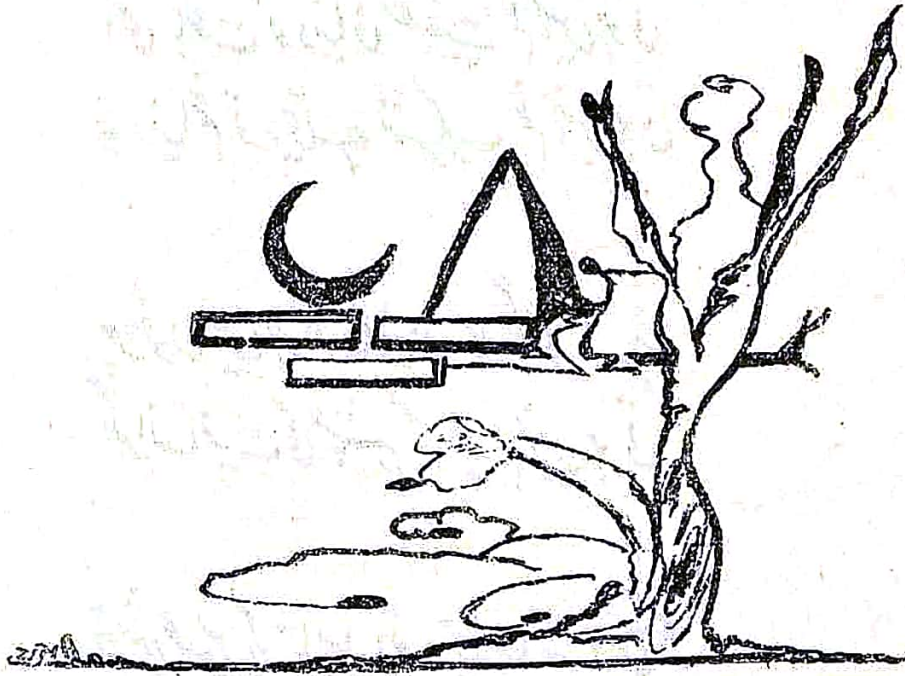
ایک جانب دَیر و کعبہ ایک جانب اُن کا در
اب کہاں سر کو جھکائیں بندگی مشکل میں ہے

اسی باعث تو دنیا کی مصیبت کم نہیں ہوتی
یہ دنیا غم تو دیتی ہے شریکِ غم نہیں ہوتی

چراغوں میں لہو انسانیت کا جگمگاتا ہے
مگر انسانیت کی چشم کم پرنم نہیں ہوتی

خوشی محسوس کرتا ہوں تو دنیا ساتھ دیتی ہے
مصیبت میں مگر آمادۂ ماتم نہیں ہوتی

خوشی کی شمع تو اے دوست زد میں آ بھی جاتی ہے
مگر داغِ جگر کی روشنی مدھم نہیں ہوتی

سلیقہ چاہیے آواز کو پہچان لینے کا
نوائے شاعری ہر دم نوائے غم نہیں ہوتی

جلیل ان سے بچھڑ کر اک زمانہ ہو گیا لیکن
ابھی تک میرے اشکوں کی روانی کم نہیں ہوتی

ہم سے دیوانوں کا جب عزم جواں ہوتا ہے
اک نیا راز زمانہ پہ عیاں ہوتا ہے

طورِ سینا ہو۔ وہ کعبہ ہو۔ کہ بت خانہ ہو!
اس کا دیدار جہاں چاہو وہاں ہوتا ہے

پھر فضا بدلی ہے۔ پھر شورِ انا الحق اُٹھا!
قصۂ دار کہیں پھر سے بیاں ہوتا ہے

ہاتھ سینہ پہ مرے رکھ کے ذرا دیکھ لو تم!
مجھ سے کیا پوچھتے ہو درد کہاں ہوتا ہے

غیر ممکن ہے خلیق اس کو چھپائے کوئی!
رازِ الفت تو نگاہوں سے بیاں ہوتا ہے

میں ڈر رہا ہوں انھیں غم سے آشنا کرتے
جھجک رہا ہوں محبت کا تذکرہ کرتے

تمام عمر رہے التفات سے محروم ـــ!
حیات بیت گئی اپنی التجا کرتے

ذرا بھی جرأتِ منصور ساتھ دے جاتی
تو ہم بھی اُن سے انا الحق کا تذکرہ کرتے

کمالِ عشق نہ ہوتا تو پھر یہ دیوانے!
کبھی نہ دار پہ چڑھنے کا حوصلہ کرتے

قصور اپنی ہی آنکھوں کا سر بسر ہے جلیلؔ
نظر فریب نظاروں کا کیا گلہ کرتے

(٥)

بے وفا سے وفا کیا کریں
ہم کسی کا گلہ کیا کریں

طور سے دار تک دی صدا
اور ہم حوصلہ کیا کریں

جب چمن میں نہ راحت ملی
دشت میں پھر بکا کیا کریں

ہم کو اپنوں سے راحت کہاں
دشمنوں کا گلہ کیا کریں

جب ہے کشتی کا حافظ خدا
ناخدا ناخدا کیا... کریں

جس کا حاصل نہیں کچھ جلیلؔ
اس کا پھر مدعا کیا کریں

چراغِ عشق جلتا ہے ہمارے قلبِ ویراں میں
چلے آؤ ابھی تک روشنی ہے اس بیاباں میں

نہیں اے دوست ان اشکوں کا کوئی دیکھنے والا
درخشاں ہیں جو انجم کی طرح چاکِ گریباں میں

کچھ ایسے غم بھی ہوتے ہیں جو اشکوں میں نہیں ڈھلتے
شرارے بن کے لیکن رقص کرتے ہیں رگِ جاں میں

بنانا تھا جسے منصور اسے دار و رسن بخشا
اسے یوسف بناتے ہیں جسے رکھتے ہیں زنداں میں

وہ کشتی آج ڈوبا چاہتی ہے پاس ساحل کے
سلامت ایک مدت تک رہی جو بحرِ طوفاں میں

زمانے میں فقط ایک بے بسی کا ساتھ ہوتا ہے
کوئی اپنا نہیں ہوتا کبھی حالِ پریشاں میں

(○)

آندھیوں میں دیے جلاتا ہوں
آپ اپنی ہنسی اڑاتا ہوں

پھر فریبِ بہار کھاتا ہوں
پھر نیا آشیاں بناتا ہوں

ظرفِ غم اپنا آزماتا ہوں
تیرے غم کو گلے لگاتا ہوں

زندگی اور بھی چمکتی ہے !
موت سے جب نظر ملاتا ہوں

ہائے وہ بحرِ بیکراں جلوے
میں سمندر میں ڈوب جاتا ہوں

انقلابِ غزل سمجھ کے جلیل
وقت کی لے پہ گیت گاتا ہوں

(۵)

غم ترا ہر خوشی سے بہتر ہے
مل گیا جو مرا مقدر ہے

غم سے جو دل ترے چمک نہ سکے
وہ نگینہ نہیں ہے پتھر ہے

ہاں اِدھر بھی نگاہِ کیف آگیں
میرے ہاتھوں میں خالی ساغر ہے

مجھ پہ چشمِ کرم رہے تیری!
لاکھ دشمن جہاں ہے کیا ڈر ہے

کس طرح داد وہ نہ دینگے جلیل
میرا ہر شعر مثلِ نشتر ہے

ہجر کی طولانیوں سے جب بھی گھبراتا ہوں میں
دل جلا کر تیرگیٔ شب مٹا پاتا ہوں میں

تھیں کبھی راہیں مرے نقشِ قدم سے جلوہ بار
زندگی کی راہ میں اب ٹھوکریں کھاتا ہوں میں

اے نگاہِ ناز اب تو ہی سہارا دے مجھے
سارے عالم کی نگاہوں سے گرا جاتا ہوں میں

ہر نفس ہے تیر و نشتر ہر نظر ہے محوِ یاس
ہر ادائے دل کو اپنے سے جدا پاتا ہوں میں

○

بے نیازِ ہر دو عالم تیرے غم نے کر دیا!
کون کہتا ہے کسی طوفاں سے گھبراتا ہوں میں

اب یہ ہے حدِ جنوں کہ ہو گئے منزل شناس
ہر قدم پر اپنی منزل سامنے پاتا ہوں میں

اُس لبِ نازک پہ ہے موجِ تبسّم یا جھلک
زندگی اور موت کو اک روپ میں پاتا ہوں میں
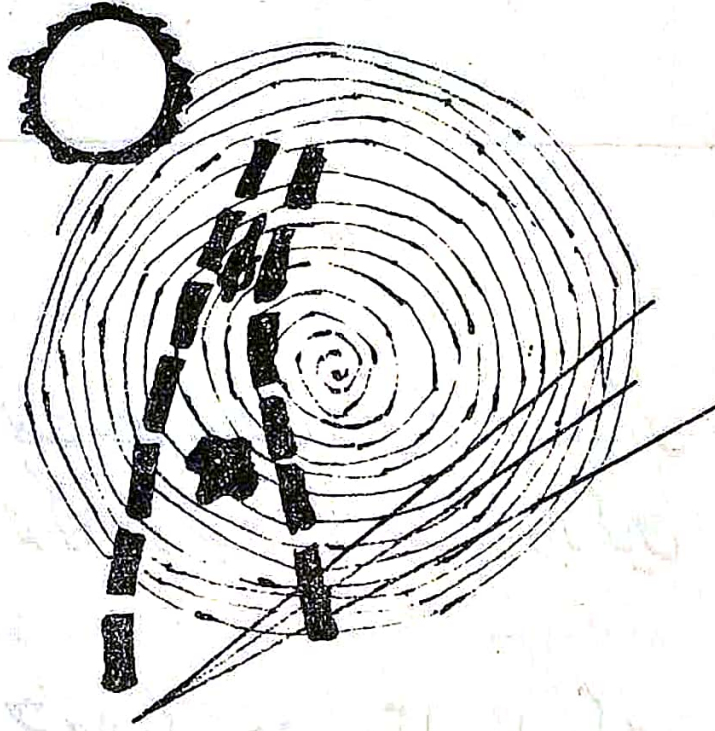
زندگی اپنی گذارے کوئے جاناں میں خلیلؔ
گردشِ ایّام موقع دے جو جانے کیلئے

موت سے پیار کریں ۔ عشق کا اظہار کریں
تذکرہ آؤ محبت کا سرِ دار کریں

چشمِ حیراں کو یہ ضد ہے ترا دیدار کریں
دل یہ کہتا ہے تصوّر سے ترے پیار کریں

پھر کوئی تازہ فسانہ ۔ نہ بنا لے دنیا!
ورنہ ہم اور تری چاہ سے اِنکار کریں

○

پھر انا الحق نہ کہے کوئی سرِ دار و رسن
رسمِ دنیا سے اگر آپ بھی انکار کریں

دیر و کعبہ کے خلاؤں کی گذرگاہِ خیال
ماہ و انجم کے پرستار ضیا بار کریں

عمرِ جاوید گلستاں کو جو کرنی ہو عطا
خونِ دل نذرِ چمن صاحبِ ایثار کریں

عمرِ دو روزہ بھی عمرِ خضر پائے جلیل
وہ نگاہیں جو رہِ غم کو پر انوار کریں

تِرے جلووں میں جو تابندگی ہے
ستاروں میں کہاں وہ روشنی ہے

زمانہ ہو گیا بچھڑے کسی سے
ابھی تک چشمِ حیراں شبنمی ہے

گُلوں کا چاک دامن ہو رہا ہے
یہ کیسی اے بہارو دوستی ہے

فلک سے جب بھی ٹوٹی برقِ تاباں
ہمارے ہی نشیمن پر گری ہے

ترے جلووں کو ذوقِ بندگی نے
سرِ دار و رسن آواز دی ہے

مصائب میں کسی کے کام آنا
یہی انسانیت کی بندگی ہے

عجب ہے انقلابِ زندگانی
جلیل اپنے وطن میں اجنبی ہے

مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے
غم دنیا سے فرصت ہو گئی ہے

ہمارا کام ہے موتی لُٹانا،
ہمیں رونے کی عادت ہو گئی ہے

جہاں میں قدر و قیمت میرے غم کی
ترے غم کی بدولت ہو گئی ہے

دلِ شاعر کے نغماتِ حسیں سے
ترے جلوؤں کی شہرت ہو گئی ہے

○

●

کہاں ہیں مصر کے بازار والے
دلوں کی نصف قیمت ہو گئی ہے

نکلتے ہیں مرے احباب بچ کر!
محبت بھی سیاست ہو گئی ہے

جلیسؔ اب دل نہیں ملتا کسی سے
عجب اپنی طبیعت ہو گئی ہے

عجب ہے انقلابِ زندگانی
جلیل اپنے وطن میں اجنبی ہے

چاہت کا آلِ غم اشکوں میں تو ڈھلنے دو
ارماں تو نہیں نکلے آنسو تو نکلنے دو

آنسو نہ مرے پونچھو دامن مرا جلنے دو
بیمارِ محبت کا دل یوں ہی بہلنے دو

حالات کی گردش تو ہر موڑ پہ رکتی ہے
کچھ دور مجھے اپنے ساتھ تو چلنے دو

○

دُنیائے تصوّر سے جاؤ نہ خفا ہو کر!
اِن تیرہ فضاؤں میں اِک دیپ تو جلنے دو

جلووں کی ضیا پاشی ماحول بدل دے گی!
اس حسنِ دل آرا کو پردہ سے نکلنے دو

گُلشن کی فضاؤں کو رنگین بنا ڈالیں
ہم اہلِ محبت کی اِک بات تو چلنے دو

سُن کر وہ جلیلؔ اپنی یہ "تازہ غزل" بولے
نغماتِ محبت کو ہونٹوں پہ مچلنے دو

حصولِ غم بہ الفاظِ دگر کچھ اور ہوتا ہے
دِلِ برباد کا عزمِ سفر کچھ اور ہوتا ہے

طلوعِ صبح کی کرنیں بہت ہی خوب ہیں لیکن
جمالِ شہرِ دِل وقتِ سحر کچھ اور ہوتا ہے

مصائب کس کو کہتے ہیں۔ تمہیں جانو تمہیں سمجھو
جہاں والو۔ ہمارا دِل جگر کچھ اور ہوتا ہے

○

شرابِ تلخ کیا ہے زہرِ قاتل تک پیا ہم نے
مگر اُن مست نظروں کا اثر کچھ اور ہوتا ہے

مقابل آئینے کے آئینہ بھی ہم نے دیکھا ہے
گھٹاؤں میں مرارِ شکستِ قمر کچھ اور ہوتا ہے

جہاں پابندیاں لازم نہ ہوں سجدہ گذاروں پر
عبادت کے لئے وہ سنگِ در کچھ اور ہوتا ہے

جلیل اکثر یہ پایا امتیازِ عشق میں ہم نے
اِدھر کچھ اور ہوتا ہے اُدھر کچھ اور ہوتا ہے
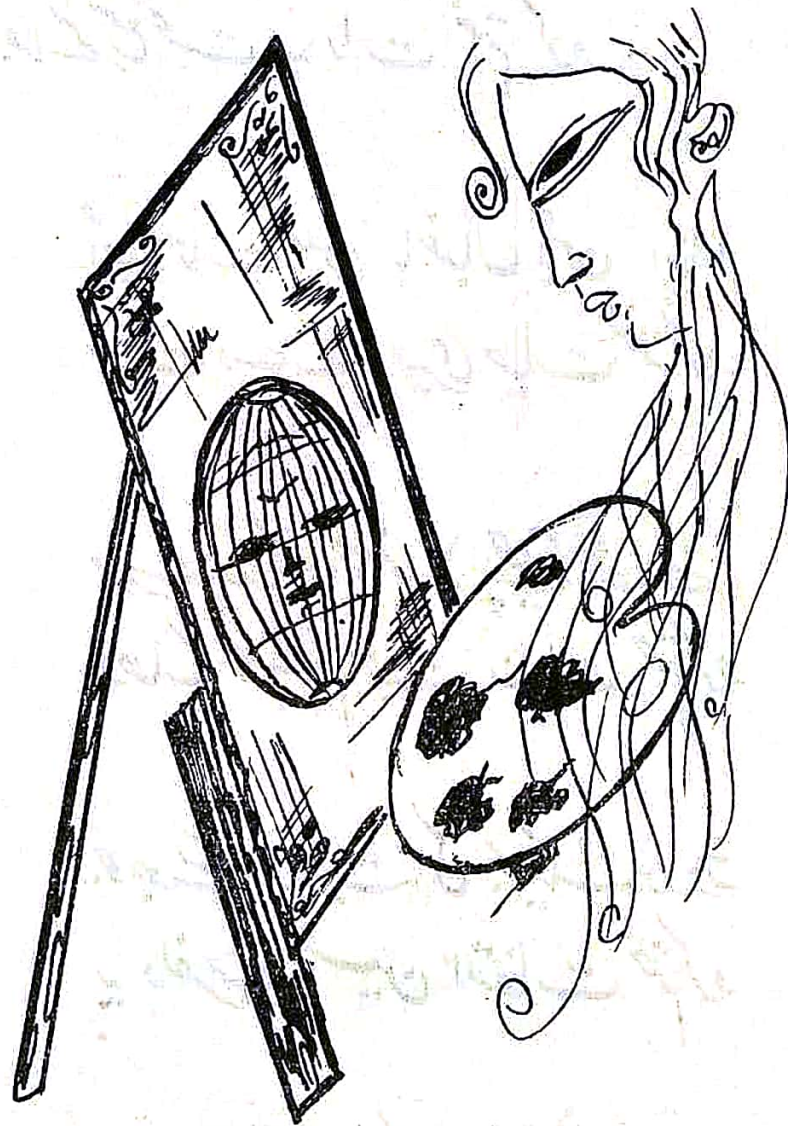
زلفِ گیتی ہم تو سلجھانے چلے تھے اے جلیلؔ
دِل تھا دیوانہ کسی کے زیرِ دام آ ہی گیا

کرو بھی ظلمتِ شب کی صفات ختم کرو
جلا کے شمعِ محبت یہ رات ختم کرو

اُجاڑنا ہے کہیں باغباں چمن اپنا!
حیات دے کے نہ میری حیات ختم کرو

میرے لبوں کا تبسّم نہ چھینئے مجھ سے!
بڑھا کے رسمِ محبت نہ بات ختم کرو

جو ہو سکے تو محبت کی بھیک دو ورنہ
یہ دلفریب حسین التفات ختم کرو

جبھی تو بھول بھی جاؤ خوشی کے افسانے
جو بات راس نہ آئے وہ بات ختم کرو

(۵)

غمِ حیات کے ماروں کا وہ چلن نہ رہا
متاعِ ضبط لٹی عزم کوہ کن نہ رہا

ہر ایک ذرّۂ گلزار شعلہ ساماں ہے
جلائے گر کے جیسے برق وہ چمن نہ رہا

جفا و ظلم زمانے کا بن گیا دستور،
وفا کا آج جہاں میں کہیں چلن نہ رہا

گلوں نے مجھکو کیا اس طرح نظر انداز
چمن میں رہ کے بھی میں بندۂ چمن نہ رہا

ہوئے ہیں جمع سبھی بارگاہِ ساقی میں
حرم میں شیخ تو مندر میں برہمن نہ رہا

جلیس کیا ہوئے وہ صاحبانِ فضل و کمال
وہ ذوقِ فن نہ رہا، رنگِ انجمن نہ رہا

رسمِ وفا کسی سے نبھاؤں تو کس طرح
ماضی کے واقعات بُھلاؤں تو کس طرح

اللہ جانتا ہے دلوں کا معاملہ ۔۔!
دنیا کو رازدار بناؤں تو کس طرح

شاید وفا سے بڑھ کے کوئی جرم ہی نہیں
یارو ۔ تمہیں یہ بات بتاؤں تو کس طرح

مانا کہ اور در ہیں ترے در کے باوجود
کافر سے دل کو راہ پہ لاؤں تو کس طرح

ترکِ وفا بھی ایک وفا ہے مگر جلیل
الزام اپنے سر پہ اٹھاؤں تو کس طرح

قسمت مجھے کس موڑ پہ لے آئی ہے دیکھو
دُنیا مری حالت کی تماشائی ہے دیکھو
جس راہ میں رسوائی ہی رسوائی ہے دیکھو
دیوانہ اسی راہ کا شیدائی ہے دیکھو

جس در پہ تمنّاؤں کا خون ہوتا رہا ہے
دل پھر بھی اسی در کا تمنّائی ہے دیکھو
ان ہاتھوں نے ہر سال بنایا ہے نشیمن
ہر سال نشیمن پہ بلا آئی ہے دیکھو

کچھ اور چراغوں میں لہو دل کا جلاؤ
ہمراہ سحر شب کو بھی لے آئی ہے دیکھو
حق بات کے کہنے پہ فقط اہلِ ستم نے
زنجیر مرے پاؤں میں پہنائی ہے دیکھو

راس آئے جلیل اہلِ چمن کو یہ دُعا ہے
آنے کو تو گلشن میں بہار آئی ہے دیکھو
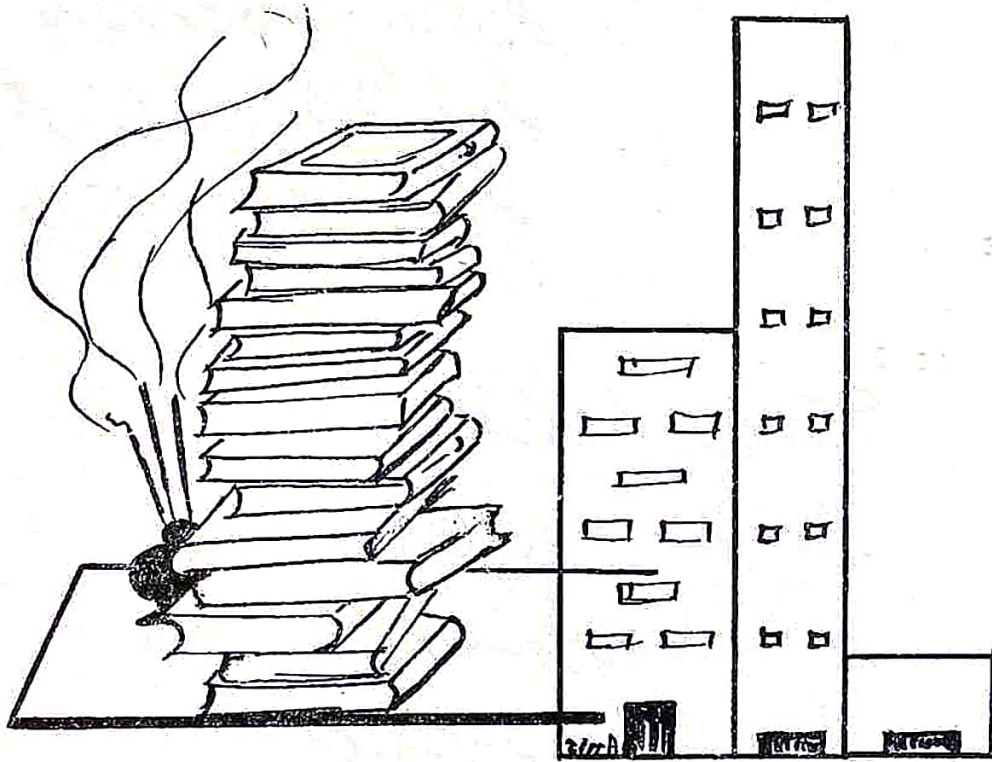
زمانہ آج اُس دیر و حرم میں سر بسجدہ ہے
جہاں انسان بھولا جا رہا ہے فرضِ انسانی

اُف مقدّر نے مات دی کیسی
جیتی بازی پلٹ گئی کیسی

رونا چاہیں تو رو نہیں سکتے!
اے محبت یہ بے بسی کیسی

میں بھی سایہ ہوں آپ ہی کا حضور
بندہ پرور یہ بے رُخی کیسی

ہم پہ جب تھی تری نگاہِ کرم
کی زمانے نے پیروی کیسی

○

دل کی دھڑکن تو تیز ہے لیکن
لذّت درد میں کمی کیسی

چل رہا ہوں جنوں کے سائے میں
تیرگی کیا ہے روشنی کیسی ؟

دشمنی دوستی کے پردے میں
اے زمانے یہ دوستی کیسی !

پھر دل بیٹھا یہ سوچتا ہوں جلیل
عمر ساری گزار دی کیسی ؟

بڑی آرزو تھی لیکن ذرا دیکھنے نہ پائے
کوئی سامنے جو آیا کئی وار دل پہ کھائے

مجھے پاسِ بندگی تھا ترے آستاں کا ورنہ
کئی بار دیر و کعبہ مری رہ گزر میں آئے

لبِ بام جو نہ پہنچے وہ نظر بھی کیا نظر ہے
نہ سکوں ملے نظر کو نہ قرار دل کو آئے

تری یاد لے چلی ہے تری جستجو میں دل کو
بخدا یہ اجنبی ہے کہیں ٹھوکریں نہ کھائے

ہے جلیلؔ روشنی کی مرے گلستاں کو حاجت
میں بنا چکا نشیمن کہو برق مسکرائے

گم ہو گئی ہے جس کے تجسس میں ہر نظر
شاید وہ جا بسے ہیں ستاروں کے شہر میں

ستم جو ٹوٹتے ہیں آسماں سے
گلے ملتے ہیں میرے آشیاں سے

ہمارا چار تنکوں کا نشیمن
کہاں دیکھا گیا برقِ تپاں سے

نہ جانے کس صدا نے رہبری کی
میں پیچھے رہ گیا تھا کارواں سے

○

رہائی کب ملی مجھ کو قفس سے
بہاریں جا چکیں جب گلستاں سے

نہ جانے کیسی کیسی داستانیں
ہیں وابستہ مری ہی داستاں سے

عجب حالات نے بدلے ہیں تیور!
مہرباں ہو گئے نامہرباں سے

جلیلؔ اب غم کا شکوہ چھوڑ بھی دو
جو مل جائے حسابِ دوستاں سے

(○)

لبریز اور جام کرو میں نشے میں ہوں
اتنا تو اہتمام کرو میں نشے میں ہوں

کرنا ہے مجھکو صبح قیامت کا سامنا
رنگین اور شام کرو میں نشے میں ہوں

جنت دل و نگاہ کی راحت کا نام ہے
کچھ سوچ کر کلام کرو میں نشے میں ہوں

○

دیر و حرم سے مجھکو کوئی واسطہ نہیں
ہاں میرا احترام کرو میں نشے میں ہوں

کیا دیکھتے ہو مجھکو زمانے کے حادثو
آؤ مجھے سلام کرو میں نشے میں ہوں

یارو مرے خلوص کو تم آزما چکے
اب جاؤ اپنا کام کرو میں نشے میں ہوں

وفا کم سے کم اتنی ہو آدمی میں
بدل جائے ہر دشمنی دوستی میں

ہے شامل وفا بھی تو پھر بات کیا ہے
اندھیرا سا کیسا ہے یہ روشنی میں

نہ کھیلو مری زندگی سے نہ کھیلو
سکوں پا سکو گے نہ تم زندگی میں

○

کمی کوئی محسوس تم بھی کرو گے
یقیناً کبھی رات کی چاندنی میں

بدلنا ہے ماحول کی راگنی کو
غزل چھیڑ کر وقت کی بانسری میں

کہاں تک یہ حالات رسوا کریں گے
سلامت رہے حوصلہ مفلسی میں

زمانہ کرے لاکھ باتیں مخالف
جلیبیؔ اور یہی بات ہے خامشی میں
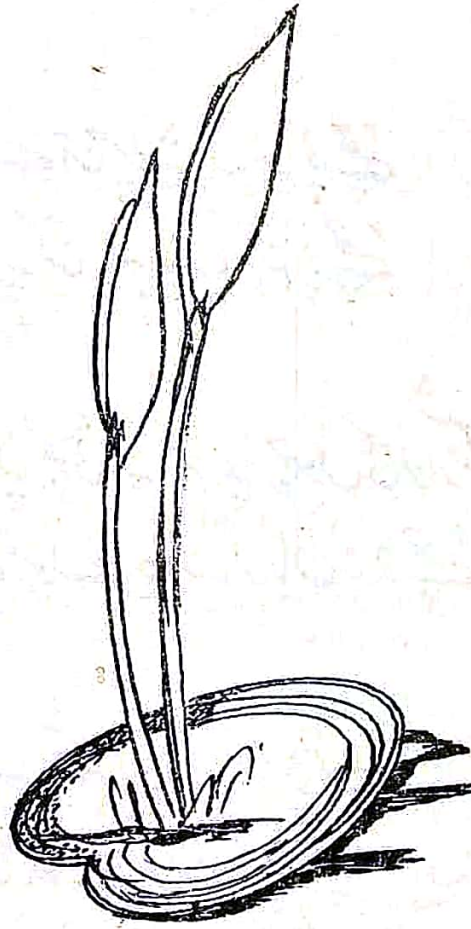
سینچا کلی کلی کو پلا کر جگر کا خوں !
شاید یہی چمن میں ہمارا قصور تھا

دل کس قدر ہے آج پریشاں نہ پوچھئے
ہے کون مجھ پہ کتنا مہرباں نہ پوچھئے

کیا کیا ہوئی نہ ہم پہ جنوں کی نوازشیں
کیسے ہوا ہے چاک گریباں نہ پوچھئے

کل تک میں تیرے شہر میں ہر دل عزیز تھا
ہر دل ہے آج مجھ سے گریزاں نہ پوچھئے

کب تک گزارتا رہوں ناکامیوں کے ساتھ
کیا چاہتی ہے گردشِ دوراں نہ پوچھئے

○

جو کچھ گزر رہی ہے ہمیں جانتے ہیں دوست
ہر زخمِ دل ہے اپنا نمک داں نہ پوچھیے

جو شہر تھا مہکتے ہوئے گل کی انجمن
وہ شہرِ دل ہے شعلہ بداماں نہ پوچھیے

بیٹھا ہوں میں جلیلؔ گنہگار کی طرح
اپنی خطا پہ آپ پشیماں نہ پوچھیے

مقدر کی تیرہ فضاؤں پہ روئے
غمِ زندگی کی اداؤں پہ روئے

تمہیں بھی زمانے نے بخشا نہ آخر
زمانے کی تم بھی جفاؤں پہ روئے

مروّت وفا دوستی پیار چاہت
دلِ نا سمجھ کی خطاؤں پہ روئے

O

وہی لوگ محروم ہیں تیرے غم سے
جو ناکام اپنی دعاؤں پہ روئے

کوئی لمحہ تو چین سے بیت جاتا
خموشی میں دل کی صداؤں پہ روئے

زمانے کی جور و ستم یاد کر کے
جلیل آپ اپنی وفاؤں پہ روئے

ہر اک شاخِ گل بجلیوں سے سجا دو
بہار آئی گلشن میں کانٹے بچھا دو

زمانے کو نفرت ہے اس روشنی سے
بجھا دو یہ شمعِ محبت بجھا دو

نہیں اہلِ دل اب زمانے میں شاید
ستم جتنے ہیں سب مجھی پر لٹا دو

○

کہیں دشمنی دوستی بن نہ جائے
جو سوئے ہیں فتنے انھیں بھی جگا دو

یہ آواز ہے آج اہلِ ستم کی
جہاں بھی ملے آدمی کو مٹا دو

گراں ہے اگر جامِ عشرت تو کیا غم!
ہے ارزاں لہو آدمی کا پلا دو،
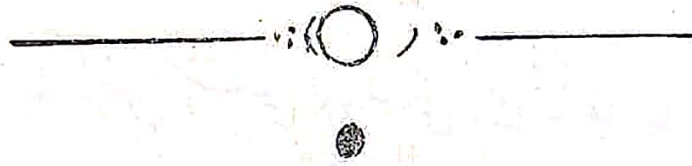
اِن اندھیروں میں کوئی دیپ جلاؤں کیسے
ہجر کی تیرہ فضاؤں کو مٹاؤں کیسے

حُسن کے شوخ نظارو مجھے آواز نہ دو
نیم خوابیدہ ہیں ارمان جگاؤں کیسے

دِل کے جذبات نکلتے ہیں شرارے بن کر
میں نظر چاند ستاروں سے ملاؤں کیسے

○

زندگی جس کے اُجالے میں ضیا پاتی ہے
اپنے ہاتھوں سے وہی شمع بجھاؤں کیسے

چومتے ہیں تیرے قدموں کو مرے گوہرِ اشک
روٹھنے والے تجھے اور مناؤں کیسے

تشنگیِ بادۂ اُلفت کی نہ پوچھو یارو
زہر بھی ملتا نہیں پیاس بجھاؤں کیسے

وقت نے چھین لیا حسنِ تخیّل کو جلیسؔ
بزمِ رنگیں میں کوئی نغمہ سناؤں کیسے

جانے کیا کیا عشق پر الزام آتے ہی رہے
پھر بھی دیوانے وفا کے گیت گاتے ہی رہے

ہنسنے والوں کا نہ آخر حوصلہ کچھ کم ہوا
رونے والے عمر بھر آنسو بہاتے ہی رہے

رہبروں نے بالیقیں لوٹا متاعِ کارواں
رہزنوں سے ورنہ ہم دامن بچاتے ہی رہے

لاکھ کوئی بھول جانے کی قسم کھایا کرے
یاد آنے والے اکثر یاد آتے ہی رہے

○

وہ شبِ غم کی کشاکش اور ذوقِ انتظار
وسوسے تا صبح دل کو گدگداتے ہی رہے

بجھ گئے گو حسرت امّید کے سارے چراغ
تیری یادوں کے ستارے جگمگاتے ہی رہے

جانے کتنے حادثے گذرا گئے دل پر جلیل
ہم کسی کا نام لیکر مسکراتے ہی رہے
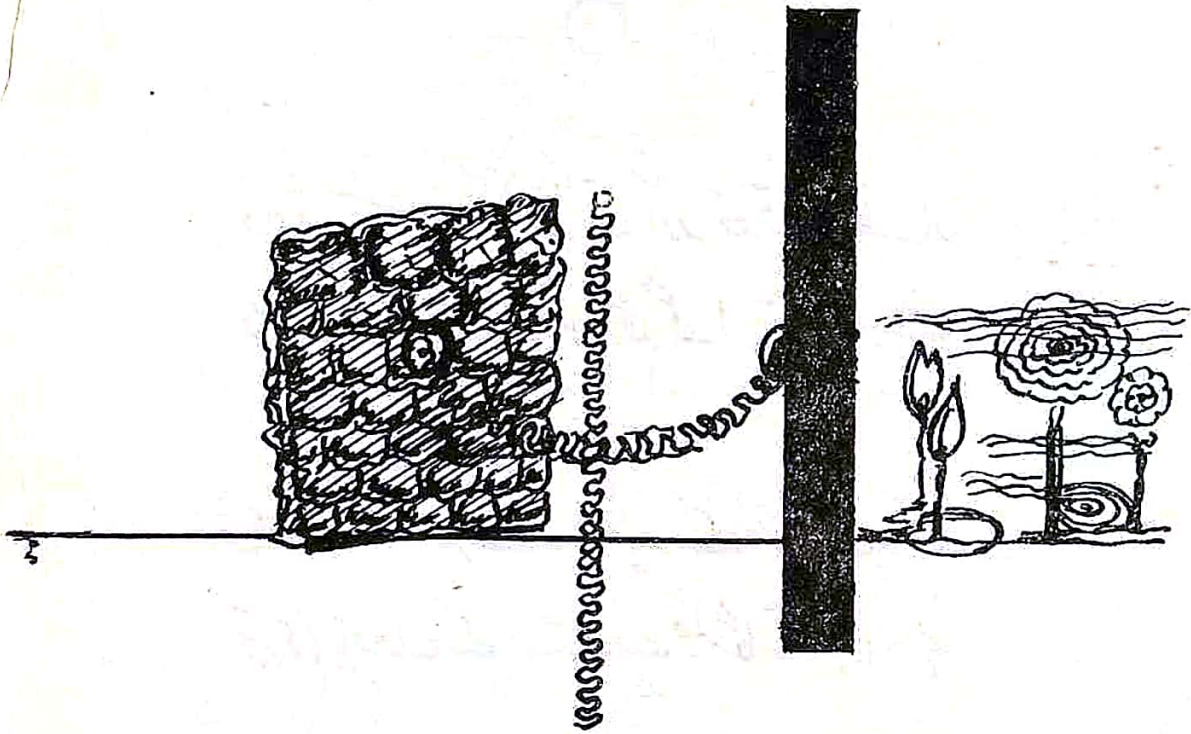
جب بھی زنداں میں گلستاں کا خیال آتا ہے
رقص کر لیتا ہوں زنجیر کی جھنکار کے ساتھ

نہ یاد ان کی آتی نہ آنسو نکلتے
شبِ غم ستارے نہ کروٹ بدلتے

نہ یارانِ گل کے قرینے بدلتے
نہ کلیوں کے دامن میں ویرانے پلتے

لرزتے ہیں ہر گام پھولوں پہ چلتے
حضور آپ کانٹوں پہ کیونکر سنبھلتے

بہارو، نہ اس طرح گذرو چمن سے
کہ معصوم کلیوں کے دل ہیں دہلتے

نہ ان کی نگاہِ کرم یوں بدلتی
نہ سارے زمانے کے تیور بدلتے

تیرا غم اشکِ ندامت میں جو ڈھل جائیگا
اے غمِ دوست مرا دم ہی نکل جائیگا

نہ ہٹاؤ رخِ تاباں سے ابھی اپنے نقاب
ورنہ دل چاند ستاروں کا دہل جائیگا

جلوۂ حسن سے کہہ دو کہ دلِ عاشق ہے
یہ کوئی طور نہیں ہے کہ جو جل جائیگا

ڈھونڈ لیتا کوئی در اور ترے در کے سوا
دل پہ ہوتا جو بھروسہ کہ بہل جائیگا

شعلۂ عشق سلامت رہے اے اہلِ ستم
پھر مرا حلقۂ زنجیر پگھل جائیگا

پھول بن جائیں گے اشکوں کے شرارے بھی جلیں
ان کا غم اور جو سینے میں مچل جائیگا

ذہن و دل پر ہے اک تیرگی دوستو
عشق میں لٹ گئی ہر خوشی دوستو

جن کے ہر اک اشارے پہ سجدہ کیا
آج وہ بن گئے اجنبی دوستو

عشق میں ہم جہاں سرنگوں ہو گئے
اپنی منزل وہیں آ گئی دوستو

جب بھی آئے اندھیرے مری راہ میں
ان کے جلووں نے کی رہبری دوستو

ہر قدم دستِ اُلفت بڑھاتے چلو
لاکھ کوئی کرے دشمنی دوستو

جب محبت سے دیکھا کسی نے
مجھ کو آواز دی زندگی نے
پھر اٹھے دل میں غم کے تلاطم
پھر ڈبویا مجھے بے بسی نے
دشمنی تو غرض دشمنی ہے
مجھ کو رسوا کیا دوستی نے
دل میں کتنے بنا کر شوالے
تم کو پوجا مری بے خودی نے
زندگی بھر کا غم دے دیا ہے
اے جمیلؔ ایک پل کی خوشی نے

آئینہ دِل کا مرے چور ہوا جاتا ہے
چشمِ حیراں سے کوئی دور ہوا جاتا ہے

کون ہے صاعقہ بر دوش خیالوں میں مرے
ذرۂ خاک ہر اِک نور ہوا جاتا ہے

لب پہ آنے تو لگی ہے رسن و دار کی بات
جذبۂ دل مرا منصور ہوا جاتا ہے

ابنِ مریم کے بھی ہاتھوں سے تحفظ نہ ہوا
زخمِ دِل ہے کہ جو ناسور ہوا جاتا ہے

کوئی موسیٰ تو نہیں بزمِ تمنا میں جلیل
آج کیوں شعلۂ دِل طور ہوا جاتا ہے

...

اور بھی کچھ دل کا کاروبار ہوا جاتا ہے کیوں
آدمی کو آدمی سے پیار ہوا جاتا ہے کیوں

پیار میں دل اس قدر آزار ہوا جاتا ہے کیوں
سانس لینا بھی ہمیں دشوار ہوا جاتا ہے کیوں

چاہتا ہوں جب بھی تیرے غم سے مل جائے نجات
دشمنِ جاں مائلِ ایثار ہوا جاتا ہے کیوں

کیا وفا بھی جرم ہے یارو تمہارے شہر میں
اس خطا پر کوئی نذرِ دار ہوا جاتا ہے کیوں

○

زندگی تو رنج و غم سے کھیلنے کا نام ہے
زندگی سے آدمی بیزار ہو جاتا ہے کیوں

باغباں مانا کہ اس میں کچھ نہیں تیرا قصور
گل مرے دامن میں آ کر خار ہو جاتا ہے کیوں

جب بھی دو سائے کسی اک موڑ پر آئے رجیلیں
یہ زمانہ آہنی دیوار ہو جاتا ہے کیوں
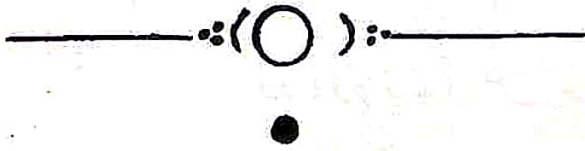
تیرے بغیر آج بہاروں کے درمیاں
بیٹھا ہوں دلفریب نظاروں کے درمیاں

اِک اجنبی کا کون سنے مدّعائے دل
کوئی نہیں ہے اپنا ہزاروں کے درمیاں

ہم جیسے بے کسوں کا مقدّر تو دیکھئے
طوفاں میں ہے سفینہ کناروں کے درمیاں

پھولوں سے بھی زیادہ مہک تھی جو زندگی
وہ سرنگوں ہے آج شراروں کے درمیاں

تنہا لئے ہوئے میں غمِ زندگی کا بوجھ
کب سے بھٹک رہا ہوں ہزاروں کے درمیاں

دوبارہ زندگی میں پھر کہاں ایسا مقام آیا
وہ لمحہ لیکے صدیوں کا جو افسانہ تمام آیا

زمانہ ہو گیا چلتے ہوئے پیچیدہ راہوں میں
نہ جینے کا مقام آیا نہ مرنے کا مقام آیا

سکوں سے بیٹھ کر کچھ تشنگی دل کی بجھا لیتا
مرے ہاتھوں میں کوئی آج تک ایسا نہ جام آیا

○

تمہاری جب نوازش تھی، کرم تھا، مہربانی تھی
ہمارے نام تک سارے زمانے کا سلام آیا

اچانک کس نے آکر دل کے دروازے پہ دستک دی
یکایک رات کو پچھلے پہر کس کا پیام آیا

جلیلؔ اس دور میں اس سے بڑی انسانیت کیا ہے
اگر اس دور میں انسان کے انسان کام آیا

نہ جانے کتنے تارے آسماں سے توڑ لایا تھا
گذر گاہِ محبت میں اُجالا ہی اُجالا تھا

ہمارا حوصلہ کیا تھا، ہمارا کیا ارادہ تھا
نہ پوچھو شہرِ دل کیا سوچ کر ہم نے بسایا تھا

خدا شاہد ہے اے لوگو وہ سب کچھ جو کیا میں نے
وفا کا دوستی کا جو محبت کا تقاضہ تھا

○

مقدر کا کریں شکوہ کہ اپنی سادگی کا ہم
اسی نے قافلہ لوٹا جسے رہبر بنایا تھا

زمیں کا آج اک ٹکڑا بھی مجھ پر تنگ ہے یارو
مرے پاؤں تلے تھا آسماں وہ بھی زمانہ تھا

جلیلؔ اُس شہر سے ہم جانے کتنی دور آپہنچے
جہاں انسانیت زندہ تھی جینے کا سہارا تھا
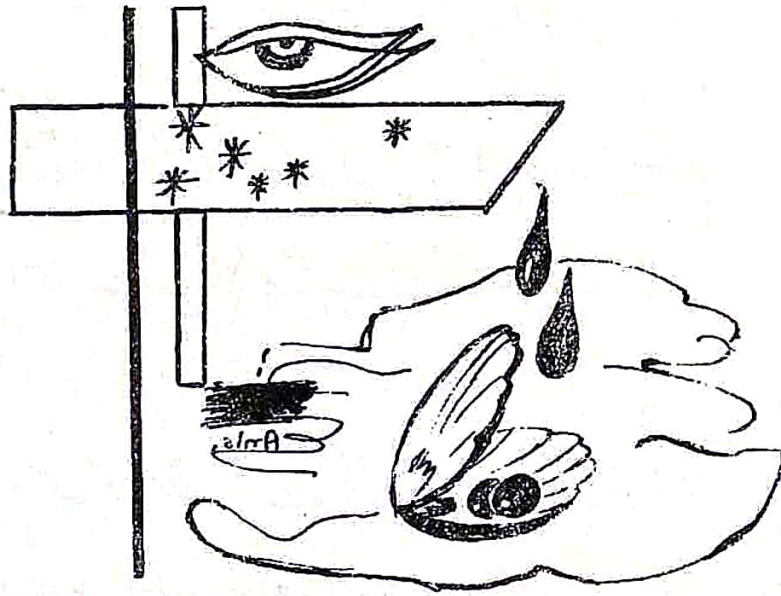
اشک گرتے ہیں جو دامن میں وہ موتی ہیں حضور
وہ شرارے ہیں جو پلکوں پہ ٹھہر جاتے ہیں

کس قدر چرچا ہے اپنا کوچہ و بازار میں
جیسے اک میں ہی لٹا ہوں دل کے کاروبار میں

وہ تو ہم ہی تھے جو اتنا مسکرا کر جی لئے
ورنہ کتنے حادثے گزرے ہیں تیرے پیار میں

جیسے دنیا کی بلائیں وقف ہیں میرے لئے
سر چھپانا بھی ہے مشکل سایۂ دیوار میں

○

کب نہ جانے وقت کے ماتھے پہ پڑ جائے شکن
کتنے پوشیدہ ہیں طوفاں وقت کی رفتار میں

اب کوئی دم میں زمیں پر انقلاب آنے کو ہے
خون کھنچ کر آ گیا ہے دیدۂ فنکار میں

یاد کر لیتا ہے اکثر اس طرح تم کو جلیلؔ
دوستو! اس کے سوا کیا ہے مرے اشعار میں

○

بستی بستی ۔ صحرا صحرا
ڈھونڈ رہا ہوں اپنا سایا

لوگ وہی ہیں ۔ دیس وہی ہے
پھر بھی ہوں میں تنہا تنہا

شہر کا دامن غرقِ لہو ہے
کسی کی آنکھ سے آنسو ٹپکا

دل سا کوئی میت نہیں ہے
دیکھ لیا ہر رشتہ ناطہ

Scanned with CamScanner

○

پیار جسے کہتے ہیں لوگو!
ہم نے بھی دیکھا تھا سپنا

آئینہ کے روپ کئی ہیں
راون کا دِل رام کا چہرا

ہم سے غزل کا حسن غزل ہے
ہم ہیں جلیسؔ اِک آئینہ خانہ

نظمیں

وقت کیا ہے نکل جائے گا دوستو
پھر زمانہ بدل جائے گا دوستو

ہر قدم شمعِ الفت جلاتے چلو
تیرگی نفرتوں کی مٹاتے چلو
برقِ دوراں سے نظریں ملاتے چلو
عظمتِ زیست کی لَو بڑھاتے چلو

وقت کیا ہے نکل جائے گا دوستو
پھر زمانہ بدل جائے گا دوستو

ہند کے لاڈلو نوجوانِ وطن
غازیو! باندھ لو اپنے سر پہ کفن
برق کی زد میں آنے نہ پائے چمن
دیس پہ اپنا کردو فدا جان و تن

وقت کیا ہے نکل جائے گا دوستو
پھر زمانہ بدل جائے گا دوستو

مادرِ ہند کی بہتری کے لئے
سر کٹاؤ اسی بندگی کے لئے
وقت مشکل بھی ہے آدمی کے لئے
حوصلہ چاہیئے زندگی کے لئے
وقت کیا ہے نکل جائیگا دوستو
پھر زمانہ بدل جائیگا دوستو

تم مرے سامنے جس وقت نہیں ہوتے

تم مرے سامنے جس وقت نہیں ہوتے ہو

حسنِ تخئیل پہ کچھ نقش ابھر آتے ہیں

خواب آلودہ خیالوں میں بہک جاتا ہوں

ڈھونڈتا ہوں کوئی رنگین سہارا لیکن

حسرت و یاس کی دنیا میں بھٹک جاتا ہوں

تم مرے سامنے جس وقت نہیں ہوتے ہو

گویا تاریک سی رہتی ہے مری بزمِ حیات

ہوش کے پردے میں بیہوش رہا کرتا ہوں

ہر نفس پر کسی آہٹ کا گماں ہوتا ہے

ضبطِ غم زہریلا نوش رہا کرتا ہوں

تم مرے سامنے جس وقت نہیں ہوتے ہو

یہ نہ پوچھو شبِ غم کیسے بسر ہوتی ہے
ایک دیوانے کی کس طرح گذر ہوتی ہے
جھلملاتے ہیں حسیں یاد کے دیپک دل میں
اس کشاکش میں شبِ غم کی سحر ہوتی ہے
تم مرے سامنے جس وقت نہیں ہوتے ہو

زندگی نذرِ ستم وقت بلا ہوتی ہے
کوئی دیوانہ صفتِ آہ و بکا کرتا ہے
رنج و غم درد و الم سوزِ جدائی توبہ
دل میں ہنگامۂ محشر سا بپا ہوتا ہے
تم مرے سامنے جس وقت نہیں ہوتے ہو

ہر تنفّس کی ادا دشمنِ جاں ہوتی ہے
زندگی سے میں بہت دور نظر آتا ہوں
گھیر لیتے ہیں مجھے موت کے دھندلے سائے
تھک کے حالات کی آغوش میں سو جاتا ہوں
تم مرے سامنے جس وقت نہیں ہوتے ہو

٭٭٭

تضمین

○

تضمین بر غزل حضرت غالبؔ

جوش کیسا یہ ولولہ کیا ہے ۔ یہ ترے غم کا سلسلہ کیا ہے
سچ بتا تیرا مدعا کیا ہے ۔ دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہم ازل سے ہیں طالبِ دیدار ۔ اپنے اصرار پر اُسے انکار
آہ بے سُود اور فغاں بے کار ۔ ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے !

عاشقی میں بھی شان رکھتے ہیں ۔ کچھ نہ کچھ اپنی آن رکھتے ہیں
جسم رکھتے ہیں جان رکھتے ہیں ۔ ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

وحشتِ دل سے پیار کرتا ہوں　　پیرہن تار تار کرتا ہوں
ہاں یہی بار بار کرتا ہوں　　جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا دُعا کیا ہے

ہم بھی ہیں غم کے خوشہ چیں غالب　　تم کو آتا نہیں یقیں غالب
پی تو صہبائے آتشیں غالب　　ہم نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

○

تضمین بر شعر حضرت غالب

لب خشک سہی دیدۂ پُر شوق تو نم ہے
ہوں رند مری بادہ کشی کا یہ بھرم ہے

اے پیرِ مغاں تجھ کو مرے سر کی قسم ہے
گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے

رہنے دے ابھی ساغر و مینا مرے آگے

تضمین بر شعر حضرت محمودؒ رانی

عزیز احمدِ مختار سے اب کس طرح مانگیں
حسینی قافلہ سالار سے اب کس طرح مانگیں

غلامی سیدی دربار سے اب کس طرح مانگیں
معافی عابدِ بیمار سے اب کس طرح مانگیں

یہی حلقہ بنا کر سوچتی رہتی ہیں زنجیریں

Scanned with CamScanner

۵

تضمین بر شعر حضرت عکسی مرحوم

ہر موڑ پر ہے ایک نئی اک تازہ واردات
جیسے کہ قافلہ ہے کسی راہ زن کے ساتھ

بنتی ہوئی نظر نہیں آتی ہے کوئی بات
عکسی کٹے گی کیسے بھلا اب رہِ حیات

ضعفِ شکستہ پائی بھی دل کی تھکن بھی ہے

قطعات

دوستو بات جیسی بات کہو
دن کو دن رات ہو تو رات کہو
یہ جدید و قدیم کیا معنی
شعر میں مقصدِ حیات کہو

جب خیالوں میں رنگ بھرنے لگے
کیسے کیسے مہکنے پھول سے چنے
سارے پھولوں میں اس کی خوشبو تھی
سارے شعروں میں بات تھی اسکی
کاش محسوس ہم بھی کر پاتے
عید کے روز اس کے گھر جاتے

خواب آلودہ خیالات لیے بیٹھے ہیں

دل میں ٹوٹے ہوئے نغمات لیے بیٹھے ہیں

جو تری زلف کے سائے میں کبھی گزری تھی

ہم تنہائیوں میں وہی رات لیے بیٹھے ہیں

یہ دامن و دل پہ کیوں ہے تیرگی بزمِ تجلی میں
یہ کس کی یاد نشتر بن کے چبھتی ہے رگِ جاں میں
وہ محفل جو کبھی رنگینیوں میں ڈوب جاتی تھی
وہی محفل غریقِ ماتم ہوئی ہے یادِ جاناں میں

چشمِ ساقی کی نوازش پہ بہکنے والے
خواب آلودہ نگاہوں میں بہکنے والے
چھین لی وقت نے آئینۂ ماضی کی جھلک
ورنہ ہم بھی تھے ستاروں میں چمکنے والے

Scanned with CamScanner

○

جامِ صہبا سنوار کر ساقیؔ
حُسنِ مے کو نکھار کر ساقیؔ

چُوم کر اپنے سُرخ ہونٹوں سے
دیدے صدقہ اُتار کر ساقیؔ!

چمن والو دیکھو چمن لٹ نہ جائے
بہاروں کا یہ بانکپن لٹ نہ جائے
تم اپنے ہی دامن کو بھر لینے والو
وطن کو بھی دیکھو وطن لٹ نہ جائے

جفا کاروں سے کھیلیں گے ستم گاروں سے کھیلیں گے
ستم کی ہے اگر سطوت تو تلواروں سے کھیلیں گے
زمانہ آزما کر اور اک تاریخ لکھ ڈالے
غلامان نبی ہیں وقت کے دھاروں سے کھیلیں گے

تیرے معصوم لبوں کی میں دُعا بن جاؤں

تیری ہر سانس کی دھڑکن کی صدا بن جاؤں

آرزو ہے کہ جیوں ایک پجاری بن کر

کون کہتا ہے کہ میں تیرا خدا بن جاؤں

خزاں نصیب بہاروں سے پیار کرتے ہیں
اداسی میں نظاروں سے پیار کرتے ہیں
قفسِ حیات میں اسیرِ محبت ہیں
وہ ڈوب کر بھی کناروں سے پیار کرتے ہیں

راہ زن کی رہزنی سے بےخودی اچھی نہیں
گمرہی اچھی ہے لیکن رہبری اچھی نہیں
دشمنی اچھی ہے اس کی دوستی اچھی نہیں

وقت کے ساتھ خیالات بدل جاتے ہیں
علم و دانش کے کمالات بدل جاتے ہیں
پل میں صدیوں کے حوالات بدل جاتے ہیں

جس کو دیکھو کسی کا دشمن ہے
ہر بشر زندگی کا دشمن ہے
ہائے کیا دور آگیا ہے جلیلؔ
آدمی، آدمی کا دشمن ہے

ہر اک سمت محشر بپا ہو رہا ہے

ہر اک زخم دل کا ہرا ہو رہا ہے

کوئی نوچے بڑھ کے سورج کا چہرہ

"لہو رنگ" شہر وفا ہو رہا ہے

متفرق اشعار

کہیں بھی جلوۂ جاناں نظر نہیں آتا
خفا وہ مجھ سے ہوئے ساری کائنات کیساتھ

موت سے کم نہیں جُدائی ہے
اے محبت تیری دہائی ہے

اے غمِ دوست تجھے اپنا بنانے کے لئے
بن گیا ایک تماشہ میں زمانے کے لئے

وفا کے نام سے اب کانپتی ہے یہ دُنیا
کسی سے میرے فسانے سُنے نہیں جاتے

دیکھو جاتا ہے کہاں لے کے مرا ذوقِ جنوں
رہبرو راہ گذارو مجھے آواز نہ دو

جس اعتبار کو دے کر فریب لوٹا ہے
رقیبِ جاں تو اُسی اعتبار کو ترسے

حالِ دل اُن سے کہہ کے نادم ہوں
کاش مُنہ میں زباں نہیں ہوتی

بروزِ حشر ترا جانے حشر کیا ہوگا
جلیلؔ تو نے گناہوں سے دل تو بہلایا

اگر نہ ملتا سہارا مری وفاؤں کا
نہ جانے پھر یہ زمانہ کدھر گیا ہوتا

یاد آجاتی ہے جب ان کی تبسم کی ادا
میری ہر سانس میں اک برق سی لہراتی ہے

گلوں کا چاک دامن ہو رہا ہے
یہ کیسی اے بہارو دوستی ہے

سلام :-

رہِ وفا سے اگر زندگی گذرتی ہے
جفا سے اور ہر اک گام پر نکھرتی ہے

رہِ طلب میں کہاں ہنس کے مٹنے والوں نے
وہ زندگی ہی نہیں موت سے جو ڈرتی ہے

جہاں بھی ذکرِ شہیدانِ کربلا آئے
دلوں میں جرأتِ مردانگی اُبھرتی ہے

غمِ حسین جہاں زندگی کا حاصل ہو
وہاں پہ موت قدم سر جھکا کے دھرتی ہے

لبوں پہ جب بھی شہیدوں کا نام آتا ہے
جبلیل برق سی رگ رگ میں رقص کرتی ہے